UNIVERSAL LIBRARY
OU_224997
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

297.931
Call No. ۲۹۷۶۹۳۱ Accession No. ۵۳۰

Author ذ - ش ذکی G.30

Title شہادت نامہ

This book should be returned on or before the date last marked below.

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

رباعی

الفت ہے محمد کی محبت تیری مولا ہوئی برباد نہ محنت تیری
کھیتی ملت کی اپنے خون سے سینچی اسلام کا احیا ہے شہادت تیری

(ذکیؔ)

شہادت نامہ

یعنی

حضرت حسین اور شہدائے کربلا کے قابل دید دلچسپ اور دلگداز واقعات کا مرقع

مولفہ

محمد عبد السلام ذکی بی۔اے (عثمانیہ)

مصنف پیام حق و گلزار اطفال و روح سخن وغیرہ

فہرست مضامین

صفحہ

دیباچہ۔

پہلا باب۔ استعفائے خلافت "الصلح خیر"۔ ۱۱

دوسرا باب۔ تحریک ولیعہدی اور شیرازۂ خلافت کا بکھرنا۔ ۱۶

تیسرا باب۔ زہر خورانی و شہادت حضرت امام حسن علیہ السلام۔ ۲۰

چوتھا باب۔ خلافت حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل کوفہ کی دعوت۔ ۲۷

پانچواں باب۔ حضرت مسلم رضؓ بن عقیل کوفہ جاتے ہیں۔ ۳۶

چھٹا باب۔ کوفیوں کی بدعہدی نائب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت۔ ۴۴

ساتواں باب۔ محمد و ابراہیم پسران حضرت مسلم رضؓ بن عقیل کی شہادت۔ ۵۱

آٹھواں باب۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی کوفہ کو روانگی۔ ۵۹

نواں باب۔ حضرت امام حسین علیہ السلام مکے اور کربلا کے درمیان۔ ۶۶

دسواں باب۔ شہادت سے پہلے۔ ۷۵

گیارھواں باب۔ روز عاشورا۔ اتمام حجت۔ شہادت انصارؓ ۸۵

بارھواں باب۔ شہادت حر بن یزید ریاحی۔ ۹۶

تیرھواں باب۔ شہادت حضرت عبداللہ بن مسلمؓ۔ ۱۰۳

چودھواں باب۔ شہادت پسران حضرت مسلم بن عقیل۔ ۱۰۵

پندرھواں باب۔ شہادت فرزندان حضرت عبداللہ بن جعفر الطیار۔ ۱۰۷

سولھواں باب۔ حضرت عبداللہ بن حسین اور دیگر وزان وغیرہ کی شہادت۔ ۱۰۹

سترھواں باب۔ حضرت قاسم بن حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت۔ ۱۱۲

اٹھارھواں باب۔ فرزندان حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت۔ ۱۱۶

انیسواں باب۔ شہادت حضرت عباسؑ۔ ۱۰۷

بیسواں باب۔ شہادت حضرت علی اکبرؓ ۱۲۰
اکیسواں باب۔ جناب سکینہ کی تعویض اور شہادت جناب علی اصغرؓ ۱۲۵
بائیسواں باب۔ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام ۱۲۸
۱۰ محرم ۶۱ھ ۶۸۰ء
تئیسواں باب۔ شہادت کے بعد۔ ۱۳۸
چوبیسواں باب۔ قافلۂ حجاز کی مدینہ کو روانگی۔ ۱۴۵
آرائے علمائے کرام۔

مقامات مقدسہ کے عکس

۱۔ مکہ معظمہ۔
۲۔ مدینہ منورہ۔
۳۔ روضۂ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام۔
۴۔ " حضرت عباس علیہ السلام۔
۵۔ نقشہ آمد و رفت قافلہ حجاز۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (ترجمہ:- جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی یہاں سے رزق پاتے ہیں

دیباچہ

ناظرین کرام! اس کتاب کے لکھنے سے قبل میرا ارادہ تھا کہ تاریخی واقعات سلیس زبان میں قلمبند کر دوں۔ لیکن جب لکھنا شروع کیا تو آغاز سے انجام تک ارادت اہل بیتؑ کے جذبات ظاہر ہونے لگے، یہاں تک کہ پوری کتاب حسن ارادت سے لبریز ہو گئی ؎

دل سے نہ محو ہو گی محبت حسینؑ کی　　روح رواں ہے تن میں ارادت حسینؑ کی
خالی کبھی نہ جائے گی الفت حسین کی　　محشر میں کام دے گی عقیدت حسینؑ کی (ذوکی)

میرا خیال ہے کہ مسلمانوں پر اہل بیت کرام سے محبت کرنا

واجب ہے۔ چنانچہ یہی میرا نقطۂ نظر ہے۔ اسلئے کہ قرآن میں آیا ہے کہ
قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى پارہ ۲۵۔ رکوع ۳

یعنی حضور اکرم صلعم نے اپنی تیئیس سالہ خدمات کے صلہ میں ہم سے صرف اپنے اہل بیت کی محبت و دوستی طلب فرمائی ہے۔
وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيْ مشکوٰۃ

حضرت زید بن ارقم نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اسے میرے بعد سنبھالے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس میں ایک دوسری سے بڑی ہے کتاب اللہ یعنی قرآن جو (خدا کی) ایک دراز کھینچی ہوئی رسی ہے۔ آسمان سے زمین تک دوسری چیز

میری عترت یعنی اہل بیت ہے۔ یہ دونوں کبھی باہم جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ آجائیں۔ دیکھو کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔[له]

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ "تم میں بہتر وہ ہے جو میرے اہل بیت کے ساتھ اچھا رہے" جناب ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے "میری محبت سے میرے اہل بیت کو دوست رکھو" حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں "ہر آئینہ قرابت رسولؐ خدا دوست تر ہے میرے نزدیک اپنی قرابت سے یعنی ان کی رعایت اور صلۂ رحم کو میں اپنی قرابت کی نسبت بڑھ کر جانتا ہوں" مکرر ارشاد فرماتے ہیں "حفظ حرمت محمدی اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت کی حرمت و تعظیم کرو اگر اہل بیت کا دامن پکڑ رہے گے تو گمراہ نہ ہوگے"

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے حسینؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "جس نے مجھ کو اور ان کو اور ان کے

له ۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۹

ماں باپ کو دوست رکھا وہ قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔"

مذکورہ آیات شریفہ اور چند احادیث پیش نظر ہیں ہم انھیں کسوٹی بنا کر اہل کوفہ و شام کی رہنمائی کو اس پر کس کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعمال سے اہل بیت کیلئے ذرہ برابر بھی محبت کا ثبوت نہیں ملتا۔

انھوں نے متعدد خطوط لکھ کر سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے یہاں بلایا۔ اور یزید کے ظلم سے بچانے کی درخواست کی علاوہ ازیں کوفہ آتے ہی آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا وعدہ واثق کیا لیکن جب آپ وہاں پہنچ گئے تو یزید کی دولت کے لالچ میں آکر سخت بدعہدی کی تین دن بھوکا پیاسا رکھا ؎

بے آب و دانہ کیسے کٹے ہائے تین دن　　دشمن کو بھی حق ایسے نہ دکھلائے تین دن
قبل اسکے ایسے سخت نہیں آئے تین دن　　آتی تھی العطش کی صدا ہائے تین دن

مور و ملخ بھی پانی سے سیراب ہوتے تھے
آل نبیؐ ترستے تھے اور جان کھوتے تھے　　(ذکی)

اور چھوٹے بڑوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر ڈالا یعنی دنیا کی خاطر دین فروشی کی۔ ادھر حضرت امام حسین علیہ السلام صبر و استقلال کا پہاڑ بنے رہے اور انتہائی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا سب لخت جگر یکے بعد دیگرے آنکھوں کے سامنے شہید کئے گئے لیکن آپ نے فاسق و بدکار یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے قطعی انکار فرما دیا۔ یہاں تک کہ اس انکار کے باعث لشکر یزید نے آپ کو بھی شہید کر کے نعش مبارک کو پارہ پارہ کر دیا۔

قران کریم میں ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ ۝ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

ترجمہ :۔ اللہ پاک فرماتا ہے" اور ہم خوف، بھوک، مال جانوں اور اولاد کے جیسی اشیاء کے نقصان سے تمہیں آزمائینگے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے یہ وہ لوگ ہیں کہ جب

ان پر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔[۱]

سپاہ شام کے جاں کاہ ظلم و ستم کا خوف، اہل بیت اطہار کا ساتھ تین دن کی بھوک پیاس، اہل بیت کے زیورات پر ڈاکہ بھائی، بھانجے، بھتیجے، بیٹے اور آخر میں خود کا جانی نقصان غرض کونسی مصیبت تھی جس سے امام عالی مقام کو دوچار ہونا نہیں پڑا۔ لیکن آپ نے صبر و استقلال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور ہر ایک نقصان پر اِنا للہ و اِن اِلیہ راجعون فرماتے رہے۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت دوسری قرآنی آیات کی طرح عام ہے۔ لیکن اس کا لفظ لفظ واقعات کربلا پر خصوصیت کے ساتھ بالکلیہ منطبق ہوتا ہے۔

تین دن بھوکا پیاسا رہ کر ایک باضابطہ تجربہ کار اور کثیر فوج سے جنگ کرنا بجائے خود ایک کرامت ہے۔ کیوں کہ کیسے ہی بڑے سے بڑے پہلوان کو اگر تین دن تک

---

[۱] سورۂ بقر رکوع ۱۹۔

بھوکا پیاسا رکھا جائے تو اس کے لئے چلنا پھرنا بھی دوبھر ہو جائے۔ لیکن جب بھوک پیاس سے نبی زادے میدان جنگ میں آکر ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں تو دشمن بھی ان کی شجاعت کا لوہا مانتے ہیں۔

کسی نے ایک روز ایک عالم باعمل سے دریافت کیا کہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا؟ اس وقت پریشانی خاطر کا عذر کر کے انھوں نے کچھ جواب نہیں دیا اور بعد کسی وقت اس کا تشفی بخش جواب دینے کا وعدہ فرمایا لیکن سائل نے حسن اتفاق سے اسی رات حضرت امام علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میری شہادت سے اسلام کے جسد مردہ میں تازہ روح زندگی دوڑ گئی میں نے ایثار سے کام لیکر دنیا کی خاطر دین کو فروخت کر کے مادی دنیا کے طلسم میں نہ پھنسنے کی تعلیم دی ہے مسلمانوں کو آئندہ بھی ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑے گا جہاں ان کو حق و باطل، نیک و بد، حرام و حلال

اور جائز و ناجائز میں تمیز کرکے نیک، حلال اور جائز افعال اور بالخصوص حق پر میری طرح اڑے رہنا پڑے گا۔ اگر میں نے دست یزید پر بیعت کی ہوتی تو اسلام صفحہ ہستی سے مٹ گیا ہوتا۔ میری شہادت احیائے دین و ملت کا باعث ہوئی۔"

دوران گفتگو میں سائل کی زبان سے درود وصلواۃ جاری تھی اور جاگنے والے اسے صاف طور پر سن رہے تھے۔

اب بھی ہیں کربلا کے سے آثار مومنو
دریائے حادثات سے ہو پار مومنو

مشکل میں مستقل رہو ہر بار مومنو
حق پر اڑے رہو بنو دیوار مومنو

بھولو نہ نیند میں بھی کبھی درس کربلا
تکرار اس سبق کی ہے سلطان کا خوں بہا (ذوکی)

ناظرین کرام! غرض اس داستان غم فزا کا لفظ لفظ عبرت سے لبریز اور سبق آموز ہے۔ خاکسار نے خدا کا فرمان، سرور کائنات صلعم کے احکام اور سید الشہداء علیہ السلام کا پیام پہنچا دیا۔ اب اہل قوم کی صوابدید پر منحصر ہے کہ اس مادی دنیا کے قیود اور باطل کی زنجیروں سے اپنے تئیں

آزاد کریں یا نہ کریں۔ بہرحال مصیبت کے وقت حضرت امام علیہ السلام کے مصائب یاد کر کے صبر کرنا اور مستقل مزاج رہنا حق پر اڑے رہنا صراط مستقیم پر گامزن رہ کر مرجع درود کی محبت لازمی سمجھنا ہمارا فرض ہے۔ ربنا اہدنا الصراط المستقیم۔

غالباً یہ کتاب مذکورہ بالا حقایق کے لئے دعوت عمل دے گی۔ وما علینا الا البلاغ۔

اس کتاب کے لکھنے میں میں نے حسب ذیل کتب سے مدد لی ہے:۔

(۱) تاریخ طبری جلد دوم حصہ اول مصنفہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری مترجمہ نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی مرحوم و مغفور۔

(۲) تاریخ اسلام مصنفہ مولانا امیر علی صاحب مرحوم۔

(۳) سر الشہادتین مصنفہ مولانا شاہ عبدالعزیز رح

(۴) عناصر الشہادتین مصنفہ مولانا ناصر علی صاحب مرحوم۔

(۵) واقعات شہادت کربلا مصنفہ مولانا شاہ حافظ مطبع صبا النور۔

(۶) تاریخ الامت مصنفہٗ مولانا حافظ اسلم صاحب جیراجپوری۔

(۷) تاریخ واقدی۔

(۸) " ابن الاثیر۔

(۹) تاریخ عروج وزوال سلطنت روم مولفہٗ مسٹر گبن۔

(۱۰) تاریخ الخلفاء۔

(۱۱) تاریخ مسلمانان مولفہٗ مسٹر گلمن۔

(۱۲) واقعات شہادت حسین مولفہٗ مولانا ابوالکلام آزاد۔

خاکسار

(ذکی)

۸۶
۹۲

پھلا باب

استعفائے خلافت۔ الصلح خیر

ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے مسجد کوفہ میں متضرر ہو کر حضرت سیدنا علی علیہ السلام نے بتاریخ ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۴۰ کوفے میں انتقال فرمایا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام حجاز، کوفہ اور مضافات کوفہ کے باشندوں کی

آراء سے تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ خلیفہ ہوکر ابھی کچھ زیادہ عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ امیر معاویہ بن ابوسفیان نے (جو جنگ صفین کے بعد سے شام کے آزاد فرماں روا تسلیم کئے گئے تھے) عراق پر حملہ کر دیا۔ نئے خلیفہ کو اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ اندرونی انتظامات فرماتے۔ تاہم آپ نے اپنے سپہ سالار سعد بن سعد کو بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ مقابلے کے لئے بھجوایا۔ امیر شام نے یہ چال چلی کہ لشکر شام میں حضرت امام حسنؑ کے سردار) قیس کے قتل کی جھوٹی افواہ اور غداری پھیلا دی یہاں تک کہ عسکریان حجاز و کوفہ نے خلیفۂ وقت پر برچھی کا ایک وار کیا جو اوچھا پڑا۔ ان کے خیمہ پر لوٹ پڑے اور سامان لوٹ کر چاہا کہ

قطعہ تاریخ شہادت حضرت امیرالمومنینؑ

چلی جب تیغ سر پہ مرتضیٰ کے ‏ دلِ اہلِ ولا سے چیخ اُٹھی
لکھا عباسؔ نے روتے ہوئے یہ ‏ علیؑ بے سر ہوئے تاریخ نکلی

از مولوی مرزا عباس حسین عباسؔ

انھیں گرفتار کر کے امیر شام کے حوالے کر دیں۔ آخر کار کوفیوں کی غداری سے مجبور ہو کر خلیفہ نے خلافت سے دست بر داری کا مصمم ارادہ فرما لیا۔ اور مسلسل نامہ و پیام کے بعد امیر شام اور خلیفہ کے درمیان ۴۱ھ میں حسب ذیل اہم شرائط پر صلح ہو گئی:۔[1]

(۱) حضرت امام حسنؑ، امیر شام کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو جائیں گے۔

(۲) یہ حق تا زیست امیر معاویہ کے لئے محفوظ رہے گا۔

(۳) اور امیر شام کی وفات پر یہ حق خلافت خلیفہ مستعفی[2] کے چھوٹے بھائی سیدنا امام حسینؑ کو دیدیا جائے گا۔

(۴) حضرت امام حسنؑ کے بیت المال میں جو کچھ ہے وہ سب ان کو مل جائے گا چنانچہ بیت المال میں

---

[1]۔ تاریخ طبری جلد دوم حصہ اول ص۱۱۲ و ۱۱۴ ۔

[2]۔ ترجمہ تاریخ اسلام مصنفہ مولانا امیر علی صاحب مرحوم ص۵۶ ۔

اس وقت جو پچاس لاکھ دینار تھے وہ انھوں نے
لے لئے۔

(۵) علاقہ داراب جرد کا خراج ان کو ملا کرے گا۔

(۶) خلیفۂ مستعفی کو ایک معقول وظیفہ بھی امیر شام کی
جانب سے ملا کرے گا۔

(۷) اور ان کے سامنے کوئی جناب امیر علیہ السلام کو
برا نہ کہے گا۔[۱]

اس مضمون کے عہدنامہ کی تکمیل کے بعد حضرت امام حسنؑ اپنے خاندان کو لے کر عراق سے مدینہ طیبہ واپس ہو گئے۔ اور سیاسی تحریکات سے ہاتھ دھو کر یاد الٰہی میں مصروف رہے۔

اس صلح میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگر جنگ جاری رہتی تو طرفین سے مسلمان ہی کام آتے۔ مسلمانوں کا آپس میں دست و گریباں رہنا بھی حضرت امام علیہ السلام کو ناپسند اور ناگوار تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو متحد و متفق دیکھنا

---

[۱] ۔ تاریخ طبری جلد دوم حصۂ اول صـ۱۱۴ ۔

پسند فرماتے تھے۔

اس صلح سے حضرت سرورکائنات صلعم کی حسب ذیل دو پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔

ا۔ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ ۔ (ترجمہ:۔ میرے بعد تیس سال خلافت رہے گی)۔

ب۔ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ "میں نے آنحضرت صلعم کو منبر پر دیکھا اس وقت حضرت امام حسنؓ آپ کے داہنے یا بائیں پہلو میں تھے۔ آنحضرت ایک بار لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ اور دوسری مرتبہ حضرت امام حسنؓ کی طرف دیکھ کر محبت سے فرماتے تھے "یہ بیٹا میرا سید ہے۔ اور امید ہے کہ اس کے سبب سے خدا مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے"۔[۱]

---

[۱] بخاری شریف۔

دوسرا باب

تحریک ولیعہدی اور شیرازۂ خلافت کا بکھرنا

جمہوریت کا وہ سیدھا سادا نظام حکومت
جس کی عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد حضرت سرور کائنات
صلعم نے رکھا تھا اور خلفائے راشدینؓ نے جس عمارت کی
تعمیر فرمائی تھی، اب نیست و نابود ہو گیا۔ اور شخصی حکومت کا
دور شروع ہوا۔ اس کے بانی حضرت امیر معاویہؓ امیر شام ہوئے
انھوں نے سنہ ۴۱ھ کے معاہدے کو نظر انداز کر کے اپنے بیٹے
یزید کی ولیعہدی کے لئے تحریک کی اور ہر طریقے سے اس کو

عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنے ماتحت حکام سے یزید کی ولیعہدی کے لئے بیعت لے لی۔ اس کے بعد دولت وحکومت کا لالچ دے کر بعض مقتدر ہستیوں سے بھی بیعت لی۔[1]

لیکن بعض نے اس کی مخالفت کی ۔ چنانچہ عبداللہ ابن عباسؓ اور عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ نے بیعت کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کیا اور خلفاء کے بیٹے نہ تھے، لیکن انھوں نے اپنے بیٹوں کے حق میں بیعت نہیں لی۔ اور اس معاملہ کو عام مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا تم بھی اسی طرح کیوں نہیں کرتے؟"

عبداللہ ابن زبیرؓ نے بیعت کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"بالفرض اگر بیعت کر لی جائے تو وقت واحد میں

---

[1] ترجمہ تاریخ طبری جلد ۲ حصہ اول ص۱۲۴۔

دو امیر مسلم ہوں گے۔ پھر ہم ان دونوں میں سے
اطاعت کس کی کریں؟"

یہ جوابات نہایت تشفی بخش سنجیدہ و معقول تھے۔ لیکن امیر معاویہؓ نے کسی کی ایک نہ سُنی اور اکثر ممتاز ہستیوں سے دولت و حکومت کا لالچ دے کر اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولیعہدی کے لئے بیعت حاصل کرلی۔ اب تمام بلاد اسلامیہ میں یزید کی ولیعہدی ایک امر مسلمہ ہوگئی۔

بنکم (Bunkum) نامی ایک فرانسیسی محقق لکھتا ہے کہ :۔

"اس طرح وہ شہرۂ آفاق حکومت کنج عدم میں پنہاں ہوگئی، جس کا سنگ بنیاد جمہوریت کا سیدھا سادا اور صاف اصول تھا۔ پھر وہ کسی مسلمان قوم میں نمودار نہیں ہوئی۔ لیکن وہ قوانین و ضوابط جمہوری حکومت کے بعد تازہ رکھے گئے جو قرآن میں مندرج ہیں۔ مگر غاصبوں کی افواج قاہرہ کے باوجود

جمہوریت کے کچھ جذبات جن سے چھوٹی ریاستیں سرسبز اور بڑی ریاستیں زیادہ طاقت ور ہو جاتی ہیں باقی رہے۔"[1]

---

[1] ترجمہ تاریخ اسلام مصنفہ مولانا امیر علی صاحب مرحوم صفحہ ۴۶۔

تیسرا باب

زہر خورانی شہادت حضرت امام حسن علیہ السلام

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا ۔ کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم ہے

یزید بن معاویہؓ ولیعہد حکومت ہرگز گوارا نہ کرتا تھا کہ فرزندان حضرت سیدنا علی علیہ السلام زندہ رہیں یہ دونوں برگزیدہ امام جن کے فضائل میں متعدد احادیث مروی ہیں اس کی حاسدانہ نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے۔ اس لئے اس نے ایک شاطر کی طرح چالیں

دنیا کے بتکدہ میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

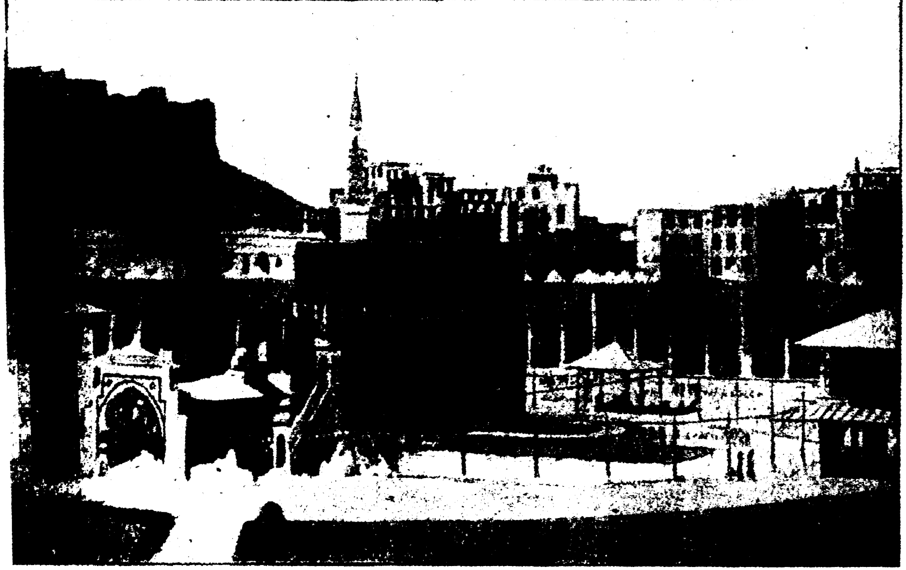

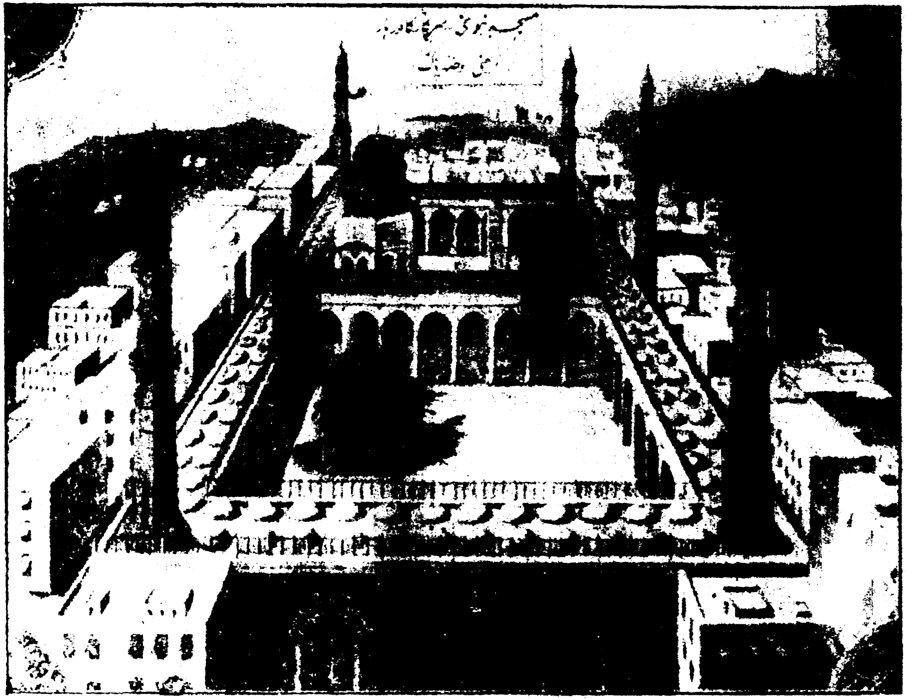
مسجد نبوی

چلیں اور سب سے پہلے مستحقِ خلافت کو آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کی وساطت سے زہر دینے کی ٹھانی۔ دولت کے لالچ میں آکر آپ کی زوجہ نے اس کام کو قبول کر لیا۔ اور موقع پا کر پہلے شہد میں پھر خرموں میں آپ کو زہر دیا۔ جس کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔ لیکن مدینہ منورہ میں ایک دارالشفا بھی ہے جہاں صدہا بلکہ ہزارہا جسمانی اور روحانی مریض شفایاب ہوتے ہیں ؎

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں　　دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں (امجد)

ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ اس دارالشفا سے کیا مراد ہے؟ حضرت امام حسنؑ تکلیف زہر سے مضطرب ہو کر سیدھے مزار مبارک حضرت حضور انور صلعم سے جا کر لپٹ گئے، اور دعا فرمائی تھوڑی دیر کے بعد آرام پایا۔ مگر کمال حلم سے اس بیوی کی شکایت کسی سے نہ فرمائی۔ اور بمصداق ع بلائے سفر یہ کہ در نانہ جنگ، آپ نے موصل کا سفر کیا۔ وہاں بھی ایک ظاہری و باطنی اندھے نے نماز پڑھتے وقت زہر آلود نوک سناں آپ کی

پُشت پا پر چبھو دی۔ زخم سے خون بہنے لگا جس کے صدمے سے آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کئی دن تکلیف اُٹھانے کے بعد آرام نصیب ہوا۔ لوگوں نے اس ظالم و سفاک کو گرفتار کیا، آپ نے فرمایا "جس طرح یہ چشم ظاہر سے اندھا ہے اس کی چشم باطن بھی کور ہے، اور قیامت میں بھی اندھا ہی رہے گا"۔ یہ سن کر ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپ پھر مدینۂ منورہ تشریف لے گئے۔

یزید نے اس مرتبہ جواہرا ور ہیرے کی کنیاں پسوائیں اور اسی بے وفا زوجہ کے حوالے کیا اور کہلوایا کہ "اگر اس سفوف کو پانی یا شربت میں ملا کر اپنے شوہر کو پلا دے گی تو میں تجھے بے شمار دولت دوں گا، اور تجھ سے نکاح بھی کر لوں گا"۔ وہ پھر یزید کے فریب میں آگئی اور اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ ستائیسویں صفر ۵۰ھ شب جمعہ کو آپ اپنے عزیز و اقارب یعنی اپنے چھوٹے بھائی کے دولت خانے میں آرام فرما تھے یکایک اپنے جدامجد (حضرت رسول اللہ صلعم) اور والد بزرگوار (حضرت سیدنا علیؓ

اور والدۂ محترمہ (حضرت فاطمہؓ) کو خواب میں دیکھا کہ انھیں اپنے ہمراہ جنت میں ٹہلاتے ہوئے حور و قصور دکھلا رہے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:-

"حسنؑ خوش ہو دشمنوں سے نجات پائی اور ہماری یکجائی نصیب ہوئی"

یہ سن کر آپ نیند سے چونک پڑے۔ پیاس محسوس ہوئی سرہانے جو کوزہ رکھا ہوا تھا اُس کو اُٹھا کر ایک گھونٹ پانی پیا۔ اس پانی میں جعدہ نے وہ سفوف الماس جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ملا رکھا تھا۔ اس کے پینے کے ذرا سی دیر بعد اسہال اور قے شروع ہو گئی۔ اور ہر قے میں دل و جگر اور انتڑیوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرتے تھے، دن چڑھے تک آپ کا رنگ رُخ اُڑ گیا۔ دونوں بھائی گلے مل کر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ بعد ازاں حضرت ممدوح نے اپنی قاتلہ کو علیحدگی میں طلب فرما کر اپنی بے گناہی اور اس کی شرارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"خیر جس واسطے تو نے یہ کام کیا، تیرے وہ مقاصد ہرگز

پورے نہ ہوں گے۔"

چھوٹے بھائی نے اصرار کے ساتھ قاتل کا نام دریافت فرمایا، آپ نے جواب دیا:۔

"حسنؑ کا سینہ قاتل کے کینے سے پاک ہے اگر حق تعالیٰ
بہشت میں جانے کا حکم دے گا تو حسنؑ جب تک
اپنے قاتل کو نہ بخشوائے گا، جنت میں قدم نہ رکھے گا۔"

اللہ اللہ!! آپ نے ۲۸ صفر ۵۰ھ کی شب میں کلمہ طیبہ کی تلاوت فرماتے ہوئے وصال پایا۔ آپ نے جام شہادت نوش فرمانے سے قبل تقویٰ، اطاعت، مروت و پاسداری اور رعایت اہلبیت کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ:۔

"اگر لڑائی اور مخالفت نہ ہو تو باجازت حضرت عائشہؓ
گنبد خضرا میں دفن کرنا ورنہ جنت البقیع میں۔"

اجازت طلب کرنے پر حضرت موصوفہؓ نے اجازت دے دی لیکن امیر معاویہؓ کے حاکم مدینہ مروان بن حکم نے اس کی سخت مخالفت کی اور لڑائی کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس نے کہا:۔

"جب وہاں حضرت عثمانؓ کے لئے جگہ نہیں دی گئی تو
حضرت حسنؓ کے لئے کیوں کر جگہ دی جا سکتی ہے"
آخر کار جنت البقیع میں حضرت عباسؓ عم نبی صلعم کے قبہ میں فاطمہ بنت اسد، آپ کی دادی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔
جنازہ دیکھ کر جب دوسرے عزاداروں کی طرح مروان بھی رونے لگا تو حضرت امام حسینؓ نے اس مخالفت اور گریہ وزاری کا سبب دریافت فرمایا اور فرمایا :۔
"آہ، میرا بھائی تیری کڑوی باتیں سنتا اور تکلیفیں اٹھاتا
تھا، مگر لب نہ ہلاتا تھا"
مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا :۔
"میں وہ باتیں ایسے شخص کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ سے
بھی زیادہ باوقار و حلیم تھا اور خلق خدا پر ان کے ماں باپ سے
زیادہ رحیم تھا" ع جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے"
الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ (بزرگی وہ ہے جس کی دشمن گواہی دیں) یہی سبب تھا، حضور انور صلعم ہمیشہ امام حسنؓ کا دہن مبارک

اور سیدنا امام حسینؓ کا گلوئے مبارک چومتے تھے[1] ۔ (ملاحظہ ہو باب ۲۲)

---

[1] ۔ عنامر الشہادتین ص ۱۶۱ تا ۱۷۵ ۔

چوتھا باب

خلافت حضرت امام حسینؑ اور اہل کوفہ کی دعوت

امیر معاویہؓ ابن ابوسفیان نے رجب کی پہلی یا پندرھویں یا بائیسویں تاریخ ۶۰ھ کو انتقال کیا۔ اسی دن اہل شام نے حسب قرارداد یزید بن معاویہؓ کو اپنا خودمختار بادشاہ تسلیم کر لیا۔ لیکن جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے سیدنا حضرت امام حسنؑ نے خلافت سے مستعفی ہوتے ہوئے یہ حق اپنے چھوٹے بھائی کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ اس لئے عہدنامے کے مطابق آپ کی شہادت پر وہ حق خلافت

سیدنا امام حسینؑ کو خود بخود دل گیا۔ اہل حجاز آپ سے بکمال عقیدت رکھتے تھے۔ اور رسمی طور پر بھی آہستہ آہستہ آپ کی خلافت تسلیم کرتے جا رہے تھے۔ علاوہ ازیں آپ یزید کو فاسق، ظالم و سفاک اور شرابی ہونے کے باعث غاصب خلافت تصور فرماتے تھے۔ اس لئے یزید چاہتا تھا کہ حضرت امام حسنؑ کی طرح حضرت امام حسینؑ کا بھی جلد سے جلد خاتمہ کر دے۔ اس لئے اس نے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو فرمان لکھا کہ :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیرالمومنین یزید کیطرف سے ولید بن عتبہ کو معلوم ہو کہ معاویہؓ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ تھے۔ خدا نے ان کو کرامت و خلافت عطا یا، وحکومت سے سرفراز کیا تھا۔ جتنی عمر ان کی لکھی ہوئی تھی اس وقت تک زندہ رہے۔ جب مدت تمام ہو گئی مر گئے۔ خدا ان پر رحم کرے کہ زندگی بھر لائق ستایش رہے اور

نکوکار و پرہیزگار رہو کر مرے۔ والسلام"

ایک دوسرے نامے میں لکھا کہ:۔

"حسینؑ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے
بیعت لینے میں بہت تشدد کرو اور جب تک
بیعت نہ کرلیں ذرا انھیں مہلت نہ دو"[1]

اس نامے کو پڑھنے کے بعد ولید بن عتبہ حاکم مدینہ نے حضرت امام حسینؑ کو اپنے دارالحکومت میں بلوایا۔ آپ نے تیس مسلح جوان اپنے ہمراہ لئے اور دارالحکومت کے دروازے پر انھیں ٹھیرا کر تاکید کی کہ:۔

"اگر میں بآوازِ بلند گفتگو کروں تو تم اندر گھس آنا"

اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے، ولید نے آپ کی بڑی عزت کی اور اس فرمان کا تذکرہ کیا۔ آپ نے پہلے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا پھر یزید کے عیب گنا کر اسے ناقابلِ خلافت ثابت فرمایا۔ بعد ازاں فرمایا کہ:۔

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صہ ۱۶۰۔

"یہ معاملہ تمام مسلمانوں کا ہے۔ کل معاویہؓ کی وفات کا
ذکر کر کے سب مسلمانوں کو جمع کرو۔ جو سب مسلمانوں کی
رائے ہوگی اس سے میں بھی اتفاق کروں گا"

عافیت پسند ولید نے اس جواب کو تسلیم کر لیا۔ آپ ولید سے
رخصت لے کر روانہ ہوا چاہتے ہی تھے کہ یکایک مروان نے
ولید کو اکسایا کہ:۔

"اگر اس وقت حسینؓ بیعت کئے بغیر چلے جائیں تو
پھر ان کا ہاتھ آنا مشکل ہوگا۔ جب تک تم میں ان میں
سخت کشت و خون نہ ہو، اس طرح تمہارے
قابو میں نہ آئیں گے۔ اس شخص کو قید کر لو تاکہ تمہارے
پاس سے نکلنے نہ پائے۔ بیعت کرے تو کرے نہیں تو
ان کی گردن مارو"۔[1]

آپ غصہ ہوئے اور ولید سے کہا:۔

"یہاں کوئی مجھے قتل کر سکتا ہے، اور نہ روک سکتا ہے"

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صـ ۱۶۲ ۔

آواز بلند سن کر آپ کے انصار جو دروازے پر منتظر تھے اندر گھس آنا چاہتے تھے لیکن حضرت امامؑ خود باہر نکل آئے۔ اور سب کے ساتھ اپنے دولت خانے کو تشریف لے گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ولید نے مروان کو ملامت کی۔ واقدی کہتا ہے:۔

"معاویہؓ کی خبر مرگ اور یزید کا حکم بیعت جب ولید کو پہنچا ہے تو ابن عمرؓ مدینہ میں نہ تھے۔ اور ابن زبیرؓ و حسینؑ بن علیؑ کو جب بیعت کے لئے بلایا تو انھوں نے انکار کیا۔ اور اسی رات کو مکہ روانہ ہوگئے۔"

روایت[1] ہے کہ آپ ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ کو اتوار کے روز مدینے سے روانہ ہوئے اہل مدینہ کو آپ کی جدائی سخت ناگوار ہوئی۔ سب مل کر روتے تھے۔ ادھر بیمار جناب صغریٰ آپ کی صاحبزادی بھی ہمراہی کی آرزومند تھیں۔ لیکن آپ نے

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۰۹۔

انھیں اپنے ہمراہ لے جانا مناسب تصور نہیں فرمایا چنانچہ
ان کے سوا آپ کے سب اہل و عیال اور خادم ہمراہ تھے۔
براہ مکہ عبداللہ بن مطیع ملے جو مکے سے مدینہ آ رہے تھے۔
آپ نے کوفیوں کی بے اعتباری اور بے وفائی جتا کر
مکے میں امن و عافیت کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا۔
بتاریخ ۳ شعبان سنہ ۶۰ھ شب جمعہ آپ مکہ پہنچ گئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام مکہ کے زمانے میں
اہل کوفہ کے قاصد اس مضمون کے خطوط اور پیام لےکر آپ کی
خدمت میں آئے کہ:-

"ہم سب لوگ آپ پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں ہم
نماز جمعہ میں والیِ کوفہ کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔
آپ ہم لوگوں میں آ جائیے"[1]

اس کے بعد بھی سربرآوردہ کوفیوں نے یزید کے ظلم سے
نجات دلانے کے لئے آپ کو متعدد خطوط لکھے جن سے آپ

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۱۷۶۔

متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آخرکار یہ طے پایا کہ اولاً حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ آپ کے چچا زاد بھائی کو کوفہ بھجوایا جائے۔ اگر آپ وہاں جاکر عینی مشاہدے سے اطمینان بخش خط لکھیں تو پھر آپ کوفے جانے کا ارادہ فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کو اپنا نائب بناکر کوفہ روانہ فرمایا۔ اور ان کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی تاکید بھی لکھ بھیجی۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ :-

"حسینؓ نے مسلمؓ بن عقیلؓ اپنے ابن عم کو بلا بھیجا اور ان سے کہا تم کوفہ روانہ ہو جاؤ، اور دیکھو مجھے یہ لوگ کیا لکھ رہے ہیں، اگر وہ سچ لکھ رہے ہیں تو میں وہاں جلد چلا جاؤں"۔[1]

علاوہ ازیں آپ نے کوفے کے رئیسوں کے خطوط کا جواب تحریر فرما کر ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ (جو قاصدوں میں

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۱۷۱۔

سب کے بعد آئے تھے) کے حوالے فرمایا :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے جماعت مومنین و مسلمین کو۔ ہانی اور سعید تم لوگوں کے خط لے کر میرے پاس آئے۔ تمہارے قاصدوں میں یہ دونوں شخص سب کے آخر میں وارد ہوئے۔ جو کچھ تم نے لکھا اور بیان کیا اور تم سب لوگوں کا یہ قول کہ "ہمارا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے، آپ آئیے، شاید اللہ آپ کے سبب سے ہم کو حق و ہدایت پر مجتمع کر دے" [له] مجھے معلوم ہوا۔ میں نے اپنے بھائی ابن عم کو جن پر مجھے بھروسہ ہے۔ اور میرے اہل بیت میں سے ہیں، تمہارے پاس روانہ کیا ہے۔ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ تم لوگوں کا حال اور سب کی رائے وہ مجھے لکھ کر بھیجیں۔ اگر ان کی تحریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمہاری جماعت کے لوگ اور صاحبان

له۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۱۷۷۔

فضل وعقل تم میں سے سب اس بات پر متفق الرائے
ہیں جس امر کے لئے تمہارے قاصد میرے پاس
آئے ہیں۔ اور جو مضامین تمہارے خطوط میں میں نے
پڑھے ہیں تو میں بہت جلد انشا اللہ تمہارے پاس
چلا آوں گا۔ اپنی جان کی قسم رہنمائے قوم وہی شخص
ہوسکتا ہے جو قرآن پر عمل کرے۔ عدل کو لئے ہوئے
حق کا طرفدار ہو اور ذات خدا پر توکل رکھے۔"[1]

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۱۷۱۔

پانچواں باب

حضرت مسلمؒ بن عقیلؓ کوفہ جاتے ہیں

سیدنا حضرت امام حسینؓ کے فرستادہ اور نائب حضرت مسلمؒ بن عقیلؓ اپنے دو صاحبزادوں محمد اور ابراہیم کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ آئے۔ اور وہاں سے دو رہبروں کو ساتھ لے کر کوفے کی طرف روانہ ہوئے۔ بطن خبیت پہنچ کر قیس بن مسہر کے ہاتھ حضرت امامؑ کی خدمت میں حسب ذیل عریضہ لکھ بھیجا:—

"مدینے سے دو رہبروں کو ساتھ لے کر نکلا تھا، وہ

راستے میں بھٹک گئے، ہم سب پیاس کی تکلیف شدید میں مبتلا ہو گئے۔ دونوں راستہ بتانے والے بہت جلد مر گئے۔ ہم لوگ چلتے چلتے پانی تک پہنچ تو گئے مگر اس حالت میں کہ ذرا ذرا سی جان باقی تھی۔ پانی جس جگہ ملا ہے اس کا نام مضیق ہے (تنگنائے) سفر کے ان واقعات سے مجھے وسواس ہوتا ہے اگر مناسب سمجھئے تو مجھے اس کام سے معاف رکھئے۔ کسی اور کو بھیجئے"

حضرت امامؑ نے جواب میں لکھا:-

"مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں جبن تو تم میں نہیں پیدا ہو گیا کہ جس کام کے لئے میں نے تم کو بھیجا ہے اس سے معافی چاہتے ہو۔ بس جدھر جانے کو میں نے تم سے کہہ دیا ہے اسی طرف جاؤ۔ والسلام علیک"

آپ نے خط پڑھ کر کہا:-

"مجھے اپنی جان کا اس میں کچھ خوف نہ تھا"[1]

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۱۷۹۔

پھر آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور منزل بہ منزل سفر طے کرتے ہوئے بہزار دقت کوفہ پہنچ گئے۔ اور اپنے ابن عم عوسجہ کے گھر میں فروکش ہوئے

آپ کی تشریف آوری سے اہل کوفہ بظاہر بہت خوش نظر آتے تھے اور عقیدت مندی کا اظہار بھی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ تقریباً بارہ ہزار مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور نہایت ادب و اشتیاق سے آپ سے ملتے رہے یہانتک کہ آپ مطمئن ہوگئے اور ایک عریضہ حضرت امامؑ کی خدمت میں ارسال کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"یا ابن رسولؐ اللہ۔ میں کوفے میں پہنچا، اور کوفیوں نے نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آکر مجھے ٹھیرایا۔ اور تمام مراتب عقیدت بجا لائے، اور اتنے آدمی اس وقت تک حلقۂ اطاعت میں آچکے ہیں، آپ اس نامہ کو ملاحظہ فرماتے ہی تشریف لائیے۔"

اس زمانے میں نعمان بن بشیرؓ یزید کی طرف سے کوفے کے

حاکم تھے۔ عبداللہ حضرمی طرفدار یزید نے ان سے شکایت کی کہ انھوں نے صورت حال پر جلد سے جلد قابو پاکر اس بڑھتی ہوئی تحریک کو روکنے کے بجائے چشم پوشی کی ہے۔ جب انھوں نے نہ مانا تو اس نے یزید کو لکھ بھیجا کہ:۔

"مسلمؓ بن عقیلؓ کوفے میں آگئے ہیں۔ مسلمانوں نے حسینؑ بن علیؑ کے نام پر ان سے بیعت کرلی ہے۔ اگر تمہیں کوفے کی خواہش ہے تو کسی زبردست شخص کو حاکم کرکے بھیجو۔ جو تمہارے حکم کو یہاں جاری کرے، تمہارے دشمن کے ساتھ وہ سلوک کرے جو تم خود کرتے۔ نعمان بن بشیرؓ یا تو کمزور ہیں یا کمزور بنتے ہیں۔"[1]

جب یزید کو یہ خط ملا تو اس نے اپنے والد کے غلام آزاد سرجون کے مشورے سے جناب بشیرؓ کو معزول کرکے عبیداللہ بن زیاد حاکم بصرہ کو کوفے کی حکومت بھی دے دی۔ کیوں کہ

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۱۸۱

اس کی جفاجوئی سے اپنے مقاصد پورے ہونے کی توقع تھی علاوہ ازیں اس نے ابن زیاد کو یہ خط بھی لکھا :-

"میرے شیعہ جو کوفے میں ہیں انھوں نے مجھے لکھا ہے کہ کوفے میں ابن عقیلؑ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے جمعیتیں تیار کر رہے ہیں۔ میرا یہ خط دیکھتے ہی تم کوفے کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ وہاں جا کر ابن عقیلؑ کو اس طرح ڈھونڈو جیسے کوئی نگینہ ڈھونڈتا ہے، انھیں یا تو گرفتار کر لینا یا قتل کر ڈالنا، یا شہر سے نکال دینا والسلام۔"[1]

خط وصول ہونے کے دوسرے دن اس نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو اپنا جانشین کر کے ملازمین اور اہل وعیال کو ساتھ لے کر خود کوفہ روانہ ہو گیا۔ اور کالا عمامہ سر پر رکھے ڈھانٹا باندھے کوفے میں داخل ہو گیا۔[2] اہل کوفہ نے اس کے ظاہری لباس کو دیکھ کر سمجھا کہ حضرت امامؑ ہیں کیوں کہ لوگ روانگی کی

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صـ۱۸۲ ۔

[2] ۔ 〃 〃 〃 〃 صـ۱۸۳ ۔

خبر سُن کر آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ چنانچہ جس جس مجمع کی طرف سے وہ گزرتا تھا لوگ سلام کرتے تھے اور کہتے تھے :۔

"یا ابن رسولؐ اللہ آپ کا آجانا کیا اچھا ہوا"

لیکن یہ کسی کا جواب نہ دیتا تھا۔ آخرکار یہ عشاء کے وقت دار الامارت پر پہنچ گیا۔ دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہیں اور دروازہ بند ہے۔ نعمان نے بھی یہ حال دیکھ کر سمجھا حضرت امامؑ ہیں۔ کہا :۔

میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرے پاس سے چلے جائیے۔ میں اپنی امانت آپ کے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھے آپ کا قتل کرنا بھی منظور نہیں۔"[1]

یہ سُن کر ابن زیاد ہنسنے لگا اور ڈرا دھمکا کر اندر داخل ہوگیا۔ اس وقت اس کے ساتھ کم و بیش بیس آدمی تھے، جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ عبید اللہ بن زیاد ہے تو انھیں بے انتہا

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صـ ۱۸۳۔

رنج و ملال ہوا۔ عبید اللہ نے صبح شہر کے رئیسوں اور امیروں کو طلب کر کے جناب نعمانؓ کی معزولی اور ان کی جگہ اپنے تقرر کا اعلان کیا۔[1]

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صہ ۱۸۳ و ۱۸۴۔

آٹھواں باب

حضرت امام علیہ السلام کی کوفے کو روانگی

رباعی

ہم آلِ نبیؐ حق پہ نظر رکھتے ہیں　کوفے کی طرف عزم سفر رکھتے ہیں
امت کو ہے راہِ حق دکھانا منظور　آفات میں گھرنیکا جگر رکھتے ہیں (ذکی)

حضرت امامؑ مکے میں شوال سے ذیقعدہ تک یعنی کُل چار ماہ
قیام پذیر رہے پھر حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کے نامے سے مطمئن ہوکر
رخت سفر باندھنا شروع فرمایا۔ اور عمرے سے فارغ ہوکر ۳ ربیا

۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ بروز سہ شنبہ (یعنی جس تاریخ حضرت مسلمؑ نے ابن زیاد پر حملہ کیا تھا) روانہ ہوئے۔ آپ کو روکنے کے لئے بڑے بڑے صحابہؓ مکے میں جمع ہو گئے۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

"یا ابن رسول اللہ آپ حرم شریف سے باہر نہ جائیے۔
اور کوفیوں کے قول و فعل پر اعتماد نہ فرمائیے۔ کیا آپ کو معلوم
نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ
کیسا معاملہ کیا۔ اور جب آپ کو جانا ہی منظور ہو تو اہل و
عیال کو ساتھ نہ لے جائیے۔ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا آپ
شہید ہو جائیں اور اہل و عیال اسیر ہوں۔ واللہ مجھے
ڈر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی طرح آپ بھی اپنی عورتوں اور بچوں کے
سامنے نہ قتل کئے جائیں۔"[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے بھی کوفہ جانے کی ممانعت کی۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے مکرر عرض کی:۔

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صـ۲۱۱ـ ۔

"جب آپ مکے سے سفر کرنے کے لئے بالکل آمادہ ہی ہیں تو یمن کی طرف چلے جائیے، وہاں آپ کے والد کے معتقدین بکثرت ہیں اور ملک بھی سرسبز و وسیع ہے جس وقت آپکے طرفداروں کی تعداد کافی ہو جائے گی تو سب سے الگ رہ کر لوگوں سے خط و کتابت کیجئے اور اپنے قاصدوں کو بھیجئے۔ اس طریقہ سے مجھے امید ہے کہ جو بات آپ چاہتے ہیں امن و عافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔"[1]

آپ نے جواب دیا:۔

"برادر! واللہ میں جانتا ہوں کہ تم خیرخواہ و شفیق ہو، لیکن میں تو روانگی کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔"[1]

یہ جواب سن کر سب مایوس ہو گئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روتے روتے بے تاب ہو گئے۔ عبداللہ ابن عمرؓ گلے لپٹ کر زار زار روئے اور کہا:۔

"اے شہید ہونے والے! تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صـ ۲۱۲۔

عمر ابن سعیدؓ حاکم مکہ نے آپ کو خط لکھا :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عمر ابن سعیدؓ کی طرف سے حسینؑ بن علیؑ کو (معلوم ہو) کہ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ آپ اس ارادے سے باز رکھے جس میں آپ کے لئے تباہی کا سامنا ہو۔ آپ کو وہ راہ دکھائے جس میں آپ کے لئے بہتری ہو۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ عراق کی طرف جاتے ہیں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو خلاف سے بچائے۔ اس لئے کہ خلاف کرنے میں آپ کے ہلاک ہو جانے کا مجھے اندیشہ ہے۔ میں نے آپ کے پاس عبداللہ بن جعفر، اور یحییٰ بن سعید کو بھیجا ہے، انکے ساتھ میرے پاس چلے آیئے۔ میرے یہاں آپ کے لئے امان ہے صلہ ہے، نیکی ہے، پناہ ہے۔ اس باب میں خدا کو گواہ اور کفیل و وکیل و نگہبان قرار دیتا ہوں۔ والسلام علیک۔"

آپ نے جواب میں لکھا :-

"لوگوں کو خدائے عزوجل کیطرف سے جو دعوت دے اور اعمال نیک کرے وہ خدا و رسولؐ کا نافرمان نہیں ہو سکتا۔

میں مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں مجھکو تم نے اماں اور صلہ اور نیکی کیطرف دعوت دی ہے۔ اماں تو وہ ہے جو خدا کیطرف سے ہو۔ اور سنو جو شخص دنیا میں خدا سے نہیں ڈرتا وہ قیامت میں بھی اس پر ایمان نہ لائیگا۔ خدا سے ہماری یہ دعا ہے کہ دنیا ہی میں ہمارے دلوں میں اپنا ڈر پیدا کردے جس سے قیامت کے دن اسکی طرف سے اماں ہم سب کو ملے۔ اگر تم نے اپنے خط میں میرے ساتھ صلہ و نیکی کا ارادہ کیا ہے تو دنیا و آخرت میں تمکو جزائے خیر ملے۔ والسلام۔"[1]

روایت ہے کہ بعض حجاج نے روز ترویہ حضرت حسینؑ و ابن زبیرؓ کو حجر اسود اور دروازۂ خانہ کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے دیکھا۔ ابن زبیرؓ حضرت امامؑ سے کہہ رہے تھے:۔

"اگر آپ یہاں رہنا چاہتے ہیں تو رہیئے، حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیجئے، ہم آپ کے معین و شریک اور ہوا خواہ رہیں گے، اور آپ سے بیعت کریں گے۔"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ۲۱۶ و ۲۱۷۔

آپ نے جواب دیا:۔

"میں نے اپنے والد سے یہ حدیث سنی ہے کہ ایک مینڈھا مکّے کی حرمت کو حلال کرے گا۔" میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔"

اس پر ابن زبیرؓ نے کہا:۔

"اچھا آپ یہاں رہیے، حکومت میرے حوالے کر دیجئے، آپ کی اطاعت کی جائے گی، اور کوئی بات آپ کے خلاف نہ ہونے پائے گی۔"

آپ نے فرمایا:۔

"مجھے یہ بھی منظور نہیں ہے۔" [1]

مکّے والوں کو آپ کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا، بڑے چھوٹے سب زار زار روتے تھے اور آپ کو رخصت کرتے تھے۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"آپ ایک ظالم کے پنجے سے مظلوم رعایا کو چھڑانے کیلئے جا رہے تھے۔ کیونکہ ظالم سے مظلوم کی حفاظت واجبات میں سے ہے۔"

آپکے ہمسفر جملہ مسافروں کی تعداد ۱۴۵ تھی جس میں سے ۴۵ سوار اور ۱۰۰ پیادے تھے [2]

---

[1] ۔ تاریخ طبری جلد اول حصہ دوم ص ۲۱۳۔
[2] ۔ " " " " ص ۲۱۷۔

پ کے ہم سفر اہل و عیال اور اعزہ کی فہرست یہ ہے :۔

(۱) حضرت زینبؑ بنت علیؑ ۔ ہمشیرہ

(۲) " ام کلثوم " " "

(۳) " شہربانو ۔ زوجۂ محترمہ حضرت امامؑ۔

(۴) " عباسؑ بن علیؑ معہ زوجۂ محترمہ (برادر امامؑ)۔

(۵) حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و عون و جعفر و عبداللہ فرزندان حضرت علیؑ۔

(۶) حضرات ابوبکر و عمر و عبداللہ پسران حضرت امام حسنؑ ۔ برادر زادگان۔

(۷) حضرت علی زین العابدین بن حضرت امام حسینؑ ۔ صاحبزادہ۔

(۸) " سکینہ بنت حسینؑ ۔ صاحبزادی۔

(۹) " علی اکبر ابن " ۔ صاحبزادہ۔

(۱۰) " علی اصغر " " "

(۱۱) حضرت عون و محمد ابن حضرت عبداللہ بن جعفرؓ (حضرت زینبؑ کے صاحبزادے) برادر زادگان۔

(۱۲) حضرات جعفرؓ و عبدالرحمن بن عقیلؓ ۔ برادر زادے۔

(۱۳) جناب عبداللہ بن مسلمؓ ۔ برادر زادہ۔

نواں باب

حضرت سیدنا امام حسین مکے اور کربلا کے درمیان

بمقام رملیہ پہنچنے کے بعد حضرت امامؑ نے حسب ذیل نامہ اہل کوفہ کے نام لکھا :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسینؑ ابن علیؑ کیطرف سے ان کے برادران ایمانی و اسلامی کو سلام علیکم۔ میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے مسلمؓ بن عقیلؓ کا خط مجھے پہنچا۔ تم لوگوں کے حسن عقیدہ اور تم سب کے میری مدد پر اور میرے حق کی طلب پر متفق ہونے کا حال مجھے معلوم ہوا۔ میں خدا سے

دعا کرتا ہوں کہ ہم پر احسان کرے اور تم لوگوں کو اس بات پر
اجر عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کیلئے ذی الحجہ کی آٹھویں کو
منگل کے دن (روز ترویہ) روانہ ہو چکا ہوں جب میرا
قاصد تمہارے پاس پہنچے تو اپنے کام میں جلدی کرو اور کوشش کرو
میں انہیں دنوں میں تمہارے پاس انشاء اللہ آجاؤں گا۔ والسلام علیکم و
رحمۃ اللہ وبرکاتہ"[1]

آپ نے یہ نامہ قیس بن مسہر صیداوی کے ذریعہ اہل کوفہ کے پاس بھجوایا تھا۔
بظاہر حضرت امامؑ اس سے بے خبر تھے کہ ابن زیاد نے عمرو بن سعد،
شمر ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کو آپ کے تعاقب میں بھجوایا تھا[1] اور
ایک سانڈنی سوار بھی آپ کے پیچھے پیچھے بطور جاسوس چلا آتا تھا۔
علاوہ ازیں ابن زیاد کے حکم سے واقصہ سے شام اور بصرے تک کی
راہیں بند کر دی گئی تھیں۔ حصین بن نمیر قادسیہ میں تھا جب حضرت
امامؑ کے قاصد وہاں پہنچے تو اس نے انہیں گرفتار کر کے وہ خط ان سے
چھین لیا۔ اور ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا۔ جہاں وہ جناب امیرؑ کی

---

[1] - تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۱۳۔

مدح کرنے کی پاداش میں ایک بلند قصر سے نیچے گرا دیئے گئے جس سے وہ چور چور ہو گئے اور مر گئے۔[1]

جب آپ بمقام ثعلبیہ پہنچے تو بکر اسدی سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب کوفے سے چلے آتے تھے۔ اس لئے حالات کوفہ سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے عبیداللہ ابن زیاد کا کوفے کا حاکم ہو جانا۔ کوفیوں کی بیوفائی۔ حضرت مسلمؑ اور ان کے صاحبزادوں اور حضرت ہانیؓ کی شہادت کا حال بتفصیل آپ سے عرض کیا۔ یہ سن کر آپ کو سخت ملال ہوا۔ اتفاقاً حضرت مسلمؑ کی ایک صاحبزادی آپ کے سامنے تھیں۔ آپ نے پہلے سے زیادہ ان پر اپنی مہربانی کا اظہار فرمایا۔ اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ صاحبزادی موصوفہ نہایت ذہین تھیں، وہ جلد تاڑ گئیں، بولیں کہ:۔

"آپ کی پہلے سے زیادہ شفقت ظاہر کرتی ہے کہ غالباً میں یتیم ہو گئی ہوں۔ اور میرے بابا جان شہید ہو گئے ہیں!"

یہ سن کر آپ زار زار رونے لگے۔ ایسے میں برادران حضرت مسلمؑ بھی

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۱۷۔

آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس موقع پر آپ کے بعض رفقا نے واپس ہو جانے کا مشورہ دیا اور اس بارے میں قسمیں بھی دیں۔ حسب مشورہ آپ نے واپسی کا قصد بھی فرمایا تھا۔ لیکن برادران حضرت مسلمؑ نے واپس جانے سے قطعی انکار کر دیا انھوں نے کہا:-

"ہم تو ہرگز نہ پھریں گے یہاں تک کہ اپنے بھائی کا بدلہ لیں یا شہید ہوں۔"[1]

حضرت امامؑ نے ان کا عزم مصمم دیکھ کر فرمایا:-

فَلَا خَيْرَ فِي الْحَيَاةِ بَعْدَكُمْ (تمہارے بعد پھر جینے میں کیا لطف ہے)[1]

یہاں سے آپ کی اجازت سے چند ہمراہی واپس ہو گئے۔ اس مقام سے جب آپ آگے بڑھے تو راہ میں فرزدق نامی شاعر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی حضرت امامؑ کو وہی وحشتناک خبریں سنائیں جو بکر اسدی نے سنائی تھیں۔ بلکہ بطور مستزاد آپ کے قاصد کی شہادت کی خبر بھی سنائی۔ آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:-

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَى (تیرے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے)۔

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۲۱۷۔

پھر جب ایک دن مرنا ہی ہے تو تلوار سے لڑتے ہوئے شجاعوں
کی سی موت کیوں نہ مریں۔"

ادھر آپ سرحد عراق پر پہنچے، اور ادھر اس جاسوس سانڈنی سوار نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ:۔

"سولہ روز ہوئے کہ حسینؓ مکے سے چلے آئے ہیں اور آج فلاں مقام پر ہیں۔"

ابن زیاد نے فوراً ایک ہزار سوار حر بن یزید ریاحی کو دیکر حکم دیا کہ:۔

"جاؤ! اور جہاں کہیں ہوں انھیں وہیں روک دو!"

شراب کے مقام پر جو کوفے سے دو منزل کے فاصلے پر ہے حر کے لشکر نے آن گھیرا۔ ظہر کا وقت قریب تھا، دونوں لشکر والوں نے حضرت امامؑ کی اقتدا میں نماز ادا کی، اس کے بعد آپ کی اور حر کی گفتگو ہوئی کچھ عسکریوں کے روبرو اور کچھ علیحدگی میں۔ حر نے آپ سے کہا:۔

"مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ مجھے صرف
اتنا ہی حکم ملا ہے کہ جب تک میں آپ کو کوفہ نہ لے جاؤں آپ کے
پاس سے نہ سرکوں۔"[1]

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۲۳۱۔

آپ کوفہ جانے کے لئے آمادہ نہ تھے، اس لئے حر نے آپ سے کہا:-

"آپ نہیں مانتے تو کسی ایسے راستے پر چلئے جو نہ کوفے کی راہ ہو نہ مدینے کی۔ میں ابن زیاد کو لکھوں گا آپ بھی اگر جی چاہے تو یزید کو یا ابن زیاد کو لکھئے، شاید خدا کوئی صورت ایسی نکال دے کہ آپ کے کسی امر میں مبتلا ہونے سے میں بچ جاؤں۔ آپ یہ راستہ اختیار کیجئے۔ عذیب و قادسیہ کی راہ سے بائیں طرف مڑ جائیے"۔

اس وقت عذیب اڑتیس میل کے فاصلے پر تھا۔ آپ اپنے انصار کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور حر بھی ساتھ ساتھ چلا۔[1]

آپ وہاں سے روانہ ہو کر تمام شب قطع مسافت فرماتے رہے۔ عراق کے ریگستان میں نہ میل کے پتھر نصب ہیں اور نہ راستے صاف طور پر دکھائی دیتے ہیں جس طرف نگاہ اٹھتی ہے ریگستان ہی ریگستان نظر آتے ہیں۔ ایسے مشکل راستوں کا سفر، عالم غربت، اور دشمنوں کے تعاقب کی پریشانی غرض وہ

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۳۲۔

برگزیدہ ہاشمی قافلہ جو صدہا آفتوں میں گرفتار تھا۔ اس لق و دق اور بے آب و گیاہ صحرا کو طے کرتے کرتے تھک کر سرحد نینوا پر ٹھیر گیا۔ یہاں ایک مسلح سانڈنی سوار نے حرؔ کو ابن زیاد کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ :-

"میرا قاصد اور میرا خط جب تمہیں پہنچے تو حسینؑ کو بہت تنگ کرنا۔ اُن کو ایسی جگہ اُترنے دینا جہاں بے ٹیل میدان ہو کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو۔ پانی نہ ہو۔ دیکھو! قاصد کو میں نے حکم دے دیا ہے کہ وہ تم پر نگہبان رہے۔ تمہارا ساتھ نہ چھوڑے۔ جب تک میرے پاس یہ خبر لے کر نہ آئے کہ تم نے میرے حکم کو پورا کر دیا۔ والسلام"[1]

اس لئے حرؔ نے آپ کو نینوا میں یا غاضریہ میں یا شفیہ میں کہیں اترنے نہ دیا۔ آخر کار آپ قصبۂ عقر (زخم) میں اتر پڑے۔ اور فرمایا :-

"خداوندا! عقر سے مجھے بچانا!"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۲۳۲

یہ مقام دریائے فرات سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور اسی کو آج ہم "مقام کرب و بلا" کہتے ہیں[1]

آہ! تقدیر نے تدبیر کے چکر دے دے کر پھر وہیں ٹھیرایا۔ جہاں ٹھہرنا مقسوم میں تھا۔ غیب سے آواز آئی سہ

ایں زمین است کہ آلودۂ خوں خواہد شد ۔ علم سید ابرار نگوں خواہد شد

نویں محرم سنہ ۶۱ھ کو عصر کے وقت آپ تلوار کے بل گھٹنوں پر سر ٹیکے ہوئے بیٹھے تھے۔ شور و غل کی آواز سن کر حضرت زینبؓ نے آپ کو بیدار فرمایا اور کہا:۔

"آپ نے سنا! لوگوں کی آوازیں قریب آرہی ہیں۔
آپ نے زانو سے سر اُٹھا کر ارشاد فرمایا "میں نے
رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں
"تم ہمارے پاس آجاؤ گے"[2] یہ سن کر آپ کی بہنؓ بے حد
رنجیدہ و ملول ہوئیں اور کہا "وائے" آپ نے فرمایا "تم پر
"وائے" نہیں ہے۔ بہن خدا تم پر رحم کرے"!

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۳۸۔
[2] ۔ " " " " ۲۴۵۔

جب یہ خواب اہل بیت سے کہا گیا تو ہاشمی قافلے کی تباہی کے شبہات قوی ہو کر یقین سے بدل گئے۔ محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ کے دن حضرت امامؑ بمقام کربلا خیمہ زن ہوئے[1]

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۲۴۸۔

آٹھواں باب

حضرت امام علیہ السلام کی کوفے کو روانگی

رباعی

ہم آلِ نبیؐ حق پہ نظر رکھتے ہیں کوفے کی طرف عزم سفر رکھتے ہیں
امت کو ہے راہِ حق دکھانا منظور آفات میں گھِر نیکا جگر رکھتے ہیں (ذکی)

حضرت امامؑ مکے میں شوال سے ذیقعدہ تک یعنی کُل چار ماہ قیام پذیر رہے پھر حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کے نامے سے مطمئن ہوکر رختِ سفر باندھنا شروع فرمایا۔ اور عمرے سے فارغ ہوکر ۳ ربیا

۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ بروز سہ شنبہ (یعنی جس تاریخ حضرت مسلمؓ نے ابن زیاد پر حملہ کیا تھا) روانہ ہوئے۔ آپ کو روکنے کے لئے بڑے بڑے صحابہؓ مکے میں جمع ہو گئے۔ عبداللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

"یا ابن رسول اللہؐ آپ حرم شریف سے باہر نہ جائیے۔
اور کوفیوں کے قول و فعل پر اعتماد نہ فرمائیے۔ کیا آپ کو معلوم
نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ
کیسا معاملہ کیا۔ اور جب آپ کو جانا ہی منظور ہو تو اہل و
عیال کو ساتھ نہ لے جائیے۔ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا آپ
شہید ہو جائیں اور اہل و عیال اسیر ہوں۔ واللہ مجھے
ڈر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی طرح آپ بھی اپنی عورتوں اور بچوں کے
سامنے نہ قتل کئے جائیں۔"[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے بھی کوفہ جانے کی ممانعت کی۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے مکرر عرض کی:۔

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۱۱ ۔

"جب آپ مکے سے سفر کرنے کے لئے بالکل آمادہ ہی ہیں تو
یمن کی طرف چلے جائیے، وہاں آپ کے والد کے معتقدین
بکثرت ہیں اور ملک بھی سرسبز و وسیع ہے جس وقت آپکے
طرفداروں کی تعداد کافی ہو جائے گی تو سب سے الگ
رہ کر لوگوں سے خط وکتابت کیجئے اور اپنے قاصدوں کو
بھیجئے۔ اس طریقے سے مجھے امید ہے کہ جو بات آپ
چاہتے ہیں امن وعافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔"[1]

آپ نے جواب دیا:۔

"برادر! واللہ میں جانتا ہوں کہ تم خیر خواہ وشفیق ہو،
لیکن میں تو روانگی کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔"[2]

یہ جواب سن کر سب مایوس ہو گئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ
روتے روتے بے تاب ہو گئے۔ عبداللہ ابن عمرؓ گلے لپٹ کر
زار زار روئے اور کہا:۔

"اے شہید ہونے والے! تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۱۲۔

عمرا بن سعیدؓ حاکم مکہ نے آپ کو خط لکھا :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - عمرا بن سعیدؓ کی طرف سے حسینؑ بن علیؑ کو (معلوم ہو) کہ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کو اس ارادے سے باز رکھے، جس میں آپ کے لئے تباہی کا سامنا ہو۔ آپ کو وہ راہ دکھائے جس میں آپ کے لئے بہتری ہو۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ عراق کی طرف جاتے ہیں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو خلاف سے بچائے۔ اس لئے کہ خلاف کرنے میں آپ کے ہلاک ہو جانے کا مجھے اندیشہ ہے۔ میں نے آپ کے پاس عبداللہ بن جعفر، اور یحییٰ بن سعید کو بھیجا ہے، انکے ساتھ میرے پاس چلے آئیے۔ میرے یہاں آپ کے لئے امان ہے۔ صلہ ہے، نیکی ہے، پناہ ہے۔ اس باب میں خدا کو گواہ اور کفیل و وکیل و نگہبان قرار دیتا ہوں۔ والسلام علیک۔"

آپ نے جواب میں لکھا :-

"لوگوں کو خدائے عزوجل کیطرف سے جو دعوت دے اور اعمال نیک کرے وہ خدا و رسولؐ کا نافرمان نہیں ہو سکتا۔

میں مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں مجھکو تم نے اماں اور صلہ اور نیکی کیطرف دعوت دی ہے۔ اماں تو وہ ہے جو خدا کیطرف سے ہو، اور سنو جو شخص دنیا میں خدا سے نہیں ڈرتا وہ قیامت میں بھی اُس پر ایمان نہ لائیگا۔ خدا سے ہماری یہ دعا ہے کہ دنیا ہی میں ہمارے دلوں میں اپنا ڈر پیدا کردے جس سے قیامت کے دن اسکی طرف سے اماں ہم سب کو ملے۔ اگر تم نے اپنے خط میں میرے ساتھ صلہ و نیکی کا ارادہ کیا ہے تو دنیا و آخرت میں تم کو جزائے خیر ملے۔ والسلام۔"[1]

روایت ہے کہ بعض حجاج نے روز ترویہ حضرت حسینؑ و ابن زبیرؓ کو حجر اسود اور دروازۂ خانہ کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے دیکھا۔ ابن زبیرؓ حضرت امامؑ سے کہہ رہے تھے:۔

"اگر آپ یہاں رہنا چاہتے ہیں تو رہیئے، حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیجئے، ہم آپ کے معین و شریک اور ہوا خواہ رہیں گے، اور آپ سے بیعت کریں گے۔"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۱۶ و ۲۱۷۔

آپ نے جواب دیا:-

"میں نے اپنے والد سے یہ حدیث سنی ہے کہ ایک مینڈھا مکے کی حرمت کو حلال کرے گا" میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا"۔

اس پر ابن زبیرؓ نے کہا:-

"اچھا آپ یہاں رہئے، حکومت میرے حوالے کر دیجئے، آپ کی اطاعت کی جائے گی، اور کوئی بات آپ کے خلاف نہ ہونے پائے گی"

آپ نے فرمایا:-

"مجھے یہ بھی منظور نہیں ہے"[1]

مکے والوں کو آپ کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا، بڑے چھوٹے سب زار زار روتے تھے اور آپ کو رخصت کرتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں:-

"آپ ایک ظالم کے پنجے سے مظلوم رعایا کو چھڑانے کیلئے جا رہے تھے۔ کیونکہ ظالم سے مظلوم کی حفاظت واجبات میں سے ہے"

آپکے ہمسفر جملہ مسافروں کی تعداد ۱۴۵ تھی جس میں سے ۴۵ سوار اور ۱۰۰ پیادے تھے[2]

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ دوم ص۲۱۳۔
[2] " " " " ص۲۱۷۔

پ کے ہم سفر اہل و عیال اور اعزہ کی فہرست یہ ہے:۔

(۱) حضرت زینبؑ بنت علیؑ - ہمشیرہ

(۲) " ام کلثوم " " "

(۳) " شہربانو - زوجہ محترمہ حضرت امامؑ۔

(۴) " عباسؓ بن علیؑ معہ زوجہ محترمہ (برادر امامؑ)۔

(۵) حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و عون و جعفر و عبداللہ فرزندان حضرت علیؑ۔

(۶) حضرات ابوبکر و عمر و عبداللہ پسران حضرت امام حسنؑ - برادر زادگان۔

(۷) حضرت علی زین العابدین بن حضرت امام حسینؑ - صاحبزادہ۔

(۸) " سکینہ بنت حسینؑ - صاحبزادی۔

(۹) " علی اکبر ابن " - صاحبزادہ۔

(۱۰) " علی اصغر " " "

(۱۱) حضرت عون و محمد ابن حضرت عبداللہ بن جعفرؓ (حضرت زینبؓ کے صاحبزادے) برادر زادگان۔

(۱۲) حضرات جعفرؓ و عبدالرحمٰن بن عقیلؓ - برادر زادے۔

(۱۳) جناب عبداللہ بن مسلمؓ - برادر زادہ۔

نواں باب

حضرت سیدنا امام حسین مکے اور کربلا کے درمیان

بمقام رملہ پہنچنے کے بعد حضرت امامؑ نے حسب ذیل نامہ اہل کوفہ کے نام لکھا :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسینؓ ابن علیؓ کیطرف سے ان کے برادران ایمانی و اسلامی کو سلام علیکم۔ میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے مسلمؓ بن عقیلؓ کا خط مجھے پہنچا۔ تم لوگوں کے حسن عقیدہ اور تم سب کے میری مدد پر اور میرے حق کی طلب پر متفق ہونے کا حال مجھے معلوم ہوا میں خدا سے

دعا کرتا ہوں کہ ہم پر احسان کرے اور تم لوگوں کو اس بات پر
اجر عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کیلئے ذی الحجہ کی آٹھویں کو
منگل کے دن (روز ترویہ) روانہ ہو چکا ہوں جب میرا
قاصد تمہارے پاس پہنچے تو اپنے کام میں جلدی کرو اور کوشش کرو
میں انہیں دنوں میں تمہارے پاس انشاء اللہ آجاؤں گا۔ والسلام علیکم و
رحمتہ اللہ و برکاتہٗ"[1]

آپ نے یہ نامہ قیس بن سہر صیداوی کے ذریعہ اہل کوفہ کے پاس بھجوایا تھا۔
بظاہر حضرت امامؑ اس سے بے خبر تھے کہ ابن زیاد نے عمرو بن سعد،
شمر ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کو آپ کے تعاقب میں بھجوایا تھا[2] اور
ایک سانڈنی سوار بھی آپ کے پیچھے پیچھے بطور جاسوس چلا آتا تھا۔
علاوہ ازیں ابن زیاد کے حکم سے واقصہ سے شام اور بصرے تک کی
راہیں بند کر دی گئی تھیں۔ حصین بن نمیر قادسیہ میں تھا جب حضرت
امامؑ کے قاصد وہاں پہنچے تو اس نے انہیں گرفتار کر کے وہ خطوط ان سے
چھین لیا۔ اور ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا۔ جہاں وہ جناب امیرؑ کی

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۲۲۳۔

مدح کرنے کی پاداش میں ایک بلند قصر سے نیچے گرا دیئے گئے جس سے وہ چور چور ہو گئے اور مر گئے۔[1]

جب آپ بمقام ثعلبیہ پہنچے تو بکر اسدی سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب کوفے سے چلے آتے تھے۔ اس لئے حالات کوفہ سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے عبیداللہ ابن زیاد کا کوفے کا حاکم ہو جانا، کوفیوں کی بیوفائی۔ حضرت مسلمؑ اور ان کے صاحبزادوں اور حضرت ہانیؓ کی شہادت کا حال بتفصیل آپ سے عرض کیا۔ یہ سن کر آپ کو سخت ملال ہوا۔ اتفاقاً حضرت مسلمؑ کی ایک صاحبزادی آپ کے سامنے تھیں۔ آپ نے پہلے سے زیادہ ان پر اپنی مہربانی کا اظہار فرمایا۔ اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ صاحبزادی موصوفہ نہایت ذہین تھیں، وہ جلد تاڑ گئیں، بولیں کہ :-

"آپ کی پہلے سے زیادہ شفقت ظاہر کرتی ہے کہ غالباً میں یتیم ہو گئی ہوں۔ اور میرے بابا جان شہید ہو گئے ہیں!"

یہ سن کر آپ زار زار رونے لگے۔ ایسے میں برادران حضرت مسلمؑ بھی

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۱۔

آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس موقع پر آپ کے بعض رفقاء نے واپس ہو جانے کا مشورہ دیا اور اس بارے میں قسمیں بھی دیں۔ حسب مشورہ آپ نے واپسی کا قصد بھی فرمایا تھا۔ لیکن برادران حضرت مسلمؓ نے واپس جانے سے قطعی انکار کر دیا انھوں نے کہا:۔

"ہم تو ہرگز نہ پھریں گے یہاں تک کہ اپنے بھائی کا بدلہ لیں یا شہید ہو جائیں"[1]

حضرت امامؑ نے ان کا عزم مصمم دیکھ کر فرمایا۔

لَا خَیْرَ فِی الْحَیَاۃِ بَعْدَکُمْ (تمہارے بعد پھر جینے میں کیا لطف ہے)[1]

یہاں سے آپ کی اجازت سے چند ہمراہی واپس ہو گئے۔ اس مقام سے جب آپ آگے بڑھے تو راہ میں فرزدق نامی شاعر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی حضرت امامؑ کو وہی وحشتناک خبریں سنائیں جو بکر اسدی نے سنائی تھیں۔ بلکہ بطور مستزاد آپ کے قاصد کی شہادت کی خبر بھی سنائی۔ آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:۔

"اَلْآخِرَۃُ خَیْرٌ لَکَ مِنَ الْاُوْلٰی" (تیرے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے)۔

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۱۷۔

پھر جب ایک دن مرنا ہی ہے تو تلوار سے لڑتے ہوئے شجاعوں
کی سی موت کیوں نہ مریں۔"

ادھر آپ سرحد عراق پر پہنچے، اور ادھر اس جاسوس سانڈنی
سوار نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ :-

"سولہ روز ہوئے کہ حسینؓ مکے سے چلے آئے ہیں اور آج فلاں مقام پر ہیں۔"

ابن زیاد نے فوراً ایک ہزار سوار حر بن یزید ریاحی کو دیکر حکم دیا کہ :-

"جاؤ! اور جہاں کہیں ہوں انھیں وہیں روک دو!"

شراب کے مقام پر جو کوفے سے دو منزل کے فاصلے پر ہے حر کے لشکر نے
آن گھیرا۔ ظہر کا وقت قریب تھا، دونوں لشکر والوں نے حضرت امامؑ کی
اقتدار میں نماز ادا کی، اس کے بعد آپ کی اور حر کی گفتگو ہوئی کچھ
عسکریوں کے روبرو اور کچھ علیحدگی میں۔ حر نے آپ سے کہا :-

"مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ مجھے صرف
اتنا ہی حکم ملا ہے کہ جب تک میں آپ کو کوفہ نہ لے جاؤں آپ کے
پاس سے نہ سرکوں۔"[1]

---

[1] - تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صا۲۲۳۔

آپ کوفہ جانے کے لئے آمادہ نہ تھے، اس لئے حر نے آپ سے کہا:۔

"آپ نہیں مانتے تو کسی ایسے راستے پر چلئے جو نہ کوفے کی راہ ہو نہ مدینے کی۔ میں ابن زیاد کو لکھوں گا آپ بھی اگر جی چاہے تو یزید کو یا ابن زیاد کو لکھئے، شاید خدا کوئی صورت ایسی نکال دے کہ آپ کے کسی امر میں مبتلا ہونے سے میں بچ جاؤں۔ آپ یہ راستہ اختیار کیجئے۔ عذیب و قادسیہ کی راہ سے بائیں طرف مڑ جائیے۔"

اس وقت عذیب اڑتیس میل کے فاصلے پر تھا۔ آپ اپنے انصار کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور حر بھی ساتھ ساتھ چلا۔[1]

آپ وہاں سے روانہ ہو کر تمام شب قطع مسافت فرماتے رہے۔ عراق کے ریگستان میں نہ میل کے پتھر نصب ہیں اور نہ راستے صاف طور پر دکھائی دیتے ہیں جس طرف نگاہ اٹھتی ہے ریگستان ہی ریگستان نظر آتے ہیں۔ ایسے مشکل راستوں کا سفر، عالم غربت، اور دشمنوں کے تعاقب کی پریشانی غرض وہ

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۳۲۔

برگزیدہ ہاشمی قافلہ جو صدہا آفتوں میں گرفتار تھا۔ اس لق و دق اور بے آب و گیاہ صحرا کو طے کرتے کرتے تھک کر سرحد نینوا پر ٹھیر گیا۔ یہاں ایک مسلح سانڈنی سوار نے حرؔ کو ابن زیاد کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ :-

"میرا قاصد اور میرا خط جب تمہیں پہنچے تو حسینؑ کو بہت تنگ کرنا۔ اُن کو ایسی جگہ اُترنے دینا جہاں چٹیل میدان ہو کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو۔ پانی نہ ہو۔ دیکھو! قاصد کو میں نے حکم دے دیا ہے کہ وہ تم پر نگہبان رہے۔ تمہارا ساتھ نہ چھوڑے۔ جب تک میرے پاس یہ خبر لے کر نہ آئے کہ تم نے میرے حکم کو پورا کر دیا۔ والسلام"[1]

اس لئے حرؔ نے آپ کو نینوا میں یا قاضریہ میں یا شفیہ میں کہیں اترنے نہ دیا۔ آخرکار آپ قصبۂ عقر (زخم) میں اتر پڑے اور فرمایا :-

"خداوندا! عقر سے مجھے بچانا"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۳۔

یہ مقام دریائے فرات سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اسی کو آج ہم مقام "کرب و بلا" کہتے ہیں۔[1]

آہ! تقدیر نے تدبیر کے چکر دے دے کر پھر وہیں ٹھیرایا۔ جہاں ٹھہرنا مقسوم میں تھا۔ غیب سے آواز آئی ؎

ایں زمین است کہ آبادہ خوں خواہد شد ۔ علم بیداد بگلزار نگوں خواہد شد

نویں محرم سنہ ۶۱ھ کو عصر کے وقت آپ تلوار کے بل گھٹنوں پر سر ٹیکے ہوئے بیٹھے تھے۔ شور و غل کی آواز سن کر حضرت زینبؓ نے آپ کو بیدار فرمایا اور کہا:۔

"آپ نے سنا؟ لوگوں کی آوازیں قریب آرہی ہیں۔

آپ نے ذرا تو سے سر اٹھا کر ارشاد فرمایا "میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں "تم ہمارے پاس آجاؤ گے"۔ یہ سن کر آپ کی بہنؓ بے حد رنجیدہ و ملول ہوئیں اور کہا "وائے"! آپ نے فرمایا "تم پر "وائے" نہیں ہے۔ بہن خدا تم پر رحم کرے"!

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۳۸–۲۴۵۔

جب یہ خواب اہل بیت سے کہا گیا تو ہاشمی قافلے کی تباہی کے شبہات قوی ہو کر یقین سے بدل گئے۔ محرم سنہ ۶۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ کے دن حضرت امامؑ بمقام کربلا خیمہ زن ہوئے۔[1]

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۳۸۔

دسواں باب

شہادت سے پہلے

ابن زیاد نے ابن سعد کو بُلا بھیجا اور کہا پہلے حسینؓ کیطرف متوجہ ہو؟ لیکن اس نے اس کام سے پہلو تہی کرنی چاہی۔ ابن زیاد نے رے کی حکومت کا فرمان واپس لینے کی دھمکی دی۔ رے کی حکومت کے لالچ میں آکر ابن سعد نے اس خونچکاں خدمت کو قبول کرلیا۔ وہاں سے واپس آکر اس نے اس کے متعلق جس جس سے مشورہ کیا اس نے اس حرکت سے منع کیا۔ اس لئے دوسرے دن ابن سعد نے ابن زیاد کے پاس جاکر کہا آپ

کسی دوسرے تجربہ کار سپہ سالار کو جو فن جنگ میں آپ کی مرضی کے موافق ہوا اور مجھ سے برتر ہو مقرر کر کے حسینؓ کے مقابلے میں بھیج دیجئے۔" یہ کہہ کر اس نے کچھ لوگوں کے نام بھی لئے۔ ابن زیاد نے کہا "اشراف اہل کوفہ کے نام تم مجھے کیا بتاتے ہو۔ میں تم سے مشورہ نہیں چاہتا کہ کس کو مقرر کروں۔ تم اگر لشکر لے کر جاتے ہو تو جاؤ۔ ورنہ میرا فرمان واپس کر دو۔" ابن سعد نے جب اس کا یہ اصرار دیکھا تو کہا "اچھا میں جاتا ہوں"[1]

حیرت کا مقام ہے کہ عمر کے والد سعد ابن ابو وقاصؓ فاتح قادسیہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک محترم صحابی تھے۔ ایسے محترم اور واجب التعظیم بزرگ (جو حضور سرور کائنات صلعم اور اہل بیت کے عشق کا دم بھرتے تھے) کا بیٹا ایسا ناخلف نکلا کہ اہل بیت کا خون بہانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ افسوس!

ع سلف ان کے وہ تھے خلف ان کے یہ ہیں۔

۳ محرم ۶۱ھ کی صبح کو ابن سعد چار ہزار کا لشکر جرار لے کر

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۳۹

کربلا پہنچ گیا، اور سب سے پہلے ایک قاصد کے ذریعہ آپ کی تشریف آوری کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے اہل کوفہ کی دعوت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"اب میرا آنا اگر انھیں ناگوار ہے اور قاصدوں سے جو کچھ انھوں نے کہلا بھیجا تھا اب اس کے خلاف ان کی رائے ہو گئی ہے، تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"[1]

ابن سعد نے کہا "امید ہوتی ہے کہ خدا مجھے ان سے لڑنے اور ان کے ساتھ کشت و خون کرنے سے محفوظ رکھے گا" اور یہ خط ابن زیاد کو لکھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں یہاں جب آکر حسینؑ کے مقابل اترا تو ایک قاصد کو ان کے پاس بھیجا۔ ان سے میں نے پوچھا کہ ان کے آنیکا کیا سبب ہوا۔ اور وہ کیا چاہتے ہیں؟ کس چیز کے طلبگار ہیں؟ انھوں نے اس کا جواب دیا کہ اس شہر کے لوگوں نے مجھے خط لکھے، میرے پاس قاصد آئے،

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صا۱۴۲ٍ۔

اور اس بات کے خواستگار ہوئے کہ میں یہاں آؤں۔
میں چلا آیا۔ اب میرا آنا ان کو ناگوار ہے اور قاصدوں سے
جو کچھ انھوں نے کہلوایا تھا اب اس کے خلاف ان کی
رائے ہوگئی ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

جب یہ خط ابن زیاد کو سنایا گیا تو اس نے کہا "ہمارے پنجے میں
پھنس کر نکلنا چاہتے ہیں۔ اب ان کے لئے کوئی صورت نہیں ہے۔"[1]
اور لکھا "اگر وہ خود اور ان کے تمام انصار یزید بن معاویہ سے
بیعت کرلیں تو پھر ہم جیسا مناسب سمجھیں گے کریں گے۔"[2]
ابن سعد یہ خط پڑھ کر کہا "ابن زیاد کو اب عافیت منظور
نہیں ہے۔" اس کے بعد اور ایک خط ابن سعد کے نام آیا جس کا
مضمون یہ تھا۔

"نہر کے اور حسینؑ اور انصار حسینؑ کے درمیان حائل ہوجاؤ،
ایک بوند پانی وہ لوگ نہ پی سکیں جو سلوک تقی زکی مظلوم
امیر المومنین عثمانؓ بن عفان کے ساتھ کیا گیا تھا۔
وہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے۔"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۳۱۔
[2] " " " " " " "

اس خط کو دیکھ کر ابن سعد نے عمر بن حجاج کو پانسو سواروں کا سردار کرکے روانہ کیا یہ لوگ نہر پر جاکر ٹھیرے اور نہر اور حسینؑ اور انصار حسینؑ کے درمیان یہ سب حائل ہو گئے۔ تاکہ وہ بوند بھر پانی اس سے نہ پائیں [1]

اس طرح ابن سعد نے اہل کوفہ کے قابل احترام مہمانوں پر ۸ محرم ۶۱ھ سے پانی بالکل بند کر دیا ۔

از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں ۔ خوش داشتند حرمت مہمان کربلا

ریگستان عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں وجہ حیات یعنی پانی کا سراب ہو جانا ایک درد خیز سانحہ ہے۔ جیسے چلچلاتی دھوپ میں تپتے تھے اور چھوٹے بڑے العطش العطش کہتے تھے ۔

در زمین کربلا از بسکہ قحط آب بود ۔ آب در چشم یتیماں گوہر نایاب بود

مثل مشہور ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ اس "ایجاد کی ماں" نے کنوئیں کھدوانے کی صلاح دی۔ آپ نے ستر ستر ہاتھ زمین کھدوائی، لیکن کسی جگہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۴۱ ۔

آخر کار تنگ آمد بجنگ آمد۔ بچوں کی تشنگی سے مضطرب ہو کر حضرت عباسؑ نویں محرم ۶۱ھ کو صبح کے وقت بائیس انصار کو ساتھ لے کر پانی لانے کے لئے گئے۔ لیکن مخالفین نے آپ کی فہمائش کو نہ مان کر سختی سے جنگ کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ زخمی اور چند انصار شہید ہو گئے۔ بعد ازاں حضرت امامؑ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور دشمنان دین کو مخاطب فرما کر ان کا اصرار کے بلانا، اپنی بے گناہی، دین پناہی اور بانی اسلام صلعم سے قرابت قریبہ کا اظہار فرماتے ہوئے حسب ذیل تین شرطیں پیش کیں:۔

ا۔ مجھے مکہ جانے دو کہ میں وہاں جا کر بیٹھ رہوں۔

ب۔ ترکستان کی طرف جانے دو کہ وہاں جا کر ترکی کافروں سے جہاد کر کے شہید ہوں۔

ج۔ اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو مجھے یزید کے پاس بھیجدو، وہاں جو کچھ ہونے والا ہے ہو گا۔"[1]

ابن سعد نے جواب دیا "میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں جو کچھ وہ کہیگا

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۴۳۔

عرض کروں گا، تامل کیجئے۔" جب ابن زیاد کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو وہ کچھ پسیجا اور صلح پر راضی ہوا لیکن شمر نے اسے اُکسا دیا کہ "اگر وہ تیرے شہر سے چلے جائیں تو قوت و غلبہ اُن کو اور عاجزی و کمزوری تیرے لئے ہے۔"[۱] اس لئے اس نے لکھا کہ "میں نے تجھے لڑنے کے لئے بھیجا ہے نہ کہ صلح کرنے کے لئے، اگر حسینؑ ابن علیؑ بیعت کریں تو بہتر ہے، ورنہ انھیں قتل کر اور اگر تجھ کو تامل ہو تو میں تجھے معزول کر کے شمر کو تیرا قائم مقام کر کے بھیجوں۔"[۲] ابن زیاد کا یہ قہر انگیز نامہ ملنے کے بعد ابن سعد نے حضرت امامؑ کی خدمت میں کہلوایا "میں نے ہرچند چاہا کہ تم یزید کی بیعت قبول کرو، لیکن تم نے قبول نہ کیا۔ اب جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔" یہ سن کر آپ نے ایک دن کی مہلت طلب فرمائی، جو بمشکل قبول کی گئی۔[۳]

حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ اس شام کو جس کی صبح میرے والد شہید ہونے والے تھے آپ نے اپنے انصار سے تخلیہ فرمایا۔ کچھ شعر پڑھے اور ضبط گریہ فرما کر میری پھوپھی زینبؑ کو جو

---

[۱] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۴۴۔
[۲] صفحہ ۲۴۸۔
[۳] صفحہ ۲۴۴۔

میری تیمار داری میں مصروف تھیں حسب ذیل نصیحتیں فرمائیں :-

(۱) "پیاری بہن! دیکھو کہیں شیطان تمہارے حلم کو نہ زائل کر دے" کہنے لگیں "یا ابا عبداللہؑ میرے ماں باپ تم پہ فدا، میری جان تم پہ فدا تم نے قتل ہونا گوارا کر لیا" یہ سُن کر آپ نے طبیعت کو سنبھالا، آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور کہا "موت نے چین سے نہ بیٹھنے دیا" کہا "ہائے بھائی کیا تمہیں مجبور کر کے قتل کریں گے؟ اس سے تو اور بھی میرا کلیجہ ٹکڑے ہوا جاتا ہے" یہ کہکر آپ مایوس اور بےخود ہو گئیں۔ پھر آپ نے فرمایا :-

(۲) "پیاری بہن! خدا کا خوف کرو، خدا کے لئے صبر کرو۔ اس بات کو سمجھو کہ روئے زمین پر سب مرنے والے ہیں، اہل آسمان بھی باقی نہ رہیں گے۔ بس اللہ کی ذات کے سوا جس نے اس زمین کو پیدا کیا ہے، اور جو پھر خلق کو زندہ کرے گا اور سب کے سب واپس آجائیں گے۔ سب چیزیں مٹ جانے والی ہیں۔ میرے باپ مجھ سے بہتر تھے۔

میری ماں مجھ سے بہتر تھیں، میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ اور مجھے اور ان سب کو اور ہر مسلمان کو رسول اللہ صلعم کے حال سے تسکین ہونی چاہئے۔

(۳) اسی طرح کے کلمے کہکر آپ نے انھیں سمجھایا۔ پھر کہا۔ پیاری بہن! میں تمہیں قسم دیتا ہوں، میری اس قسم کو پورا کرنا۔ میں مر جاؤں تو میرے غم میں گریبان کو چاک نہ کرنا۔ منھ کو نہ پیٹنا۔ ہلاکت و موت کو نہ پکارنا۔"

یہ کہکر آپ انھیں اپنے ساتھ لائے اور میرے پاس لاکر بٹھا گئے۔ پھر آپ خیمے سے باہر گئے۔ انصار کو حکم دیا کہ خیموں کو قریب قریب اس طرح نصب کریں کہ طنابوں کے اندر طنابیں آجائیں، سب لوگ خود اس حلقے کے درمیان رہیں بس ایک رخ جدھر سے دشمن آنے والے ہیں کھلا رہنے دیں۔" غالباً یہ عمل دشمنوں کے شب خون سے بچنے کے لئے کیا گیا ہوگا۔ پھر آسمان کی طرف منھ کرکے کہا "خداوندا! تو جانتا ہے کہ کوفیوں نے مجھ سے بیعت کی، پھر عہد شکنی کی۔ اس کا انصاف تیرے ہاتھ ہے۔"

لہ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۲۵۱۔

اس کے بعد پھر انصار سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا "میں تم سے راضی ہوں تم نے حق رفاقت ادا کیا۔ اب دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے کسی اور جگہ چلے جاؤ، اور اپنی جان بچاؤ۔" لیکن انھوں نے آپ کی رفاقت سے منھ موڑنے سے انکار کر دیا۔[1]

آپ نے حفاظت کے لئے غزوہ احزاب کی طرح خیموں کے گرد (آنے جانے کے لئے راستہ چھوڑ کر) ایک خندق کھدوائی جس میں پانی کے بجائے آگ جلائی گئی تھی لشکر یزید کا ایک سپاہی مالک بن حوزہ اتفاقاً خندق کے قریب آ نکلا، اور ہنسی سے کہا "اے امام! تم نے مرنے کے پہلے ہی اپنے لئے دوزخ بنا لیا ہے۔" نعوذ باللہ من ذالک آپ نے اس کے حق میں بد دعا کی۔ یکایک اس کا گھوڑا بدک گیا، اور وہ گھوڑے پر سے گر پڑا، لیکن لگام میں ایک پاؤں اٹک گیا گھوڑا اسے گھسیٹے لئے پھرتا تھا۔ آخر کار وہ گستاخ اسی خندق میں گر کے جل بھن کر کباب ہو گیا۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہودہ بخت و خیال باطل بست

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۴۹۔

گیارھواں باب

روزِ عاشورا، اتمامِ حجت، شہادتِ انصار

نویں اور دسویں محرم ۶۱ھ کی درمیانی شب میں ادھر نبیؐ زادے اور ان کے انصار عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اور ادھر اشقیا اسلحۂ جنگ صاف کرنے میں مشغول تھے۔ جب صبح ہوئی اذانِ فجر کی صدا دشتِ کربلا میں گونجنے لگی۔ خاصانِ خدا نے بمشکل نمازِ فجر ادا کی ہوگی کہ اشقیا نے نقارۂ جنگ بجا دیا۔ آپ کے جملہ بہتر انصار ۳۲ سوار ۴۰ پیادے میدانِ جنگ میں آ گئے پھر آپ نے اپنے انصار کی صفیں جمائیں۔ میمنہ پر زہیر بن قین کو اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو مقرر کیا۔ اور اپنا علم اپنے بھائی

عباسؑ بن علیؑ کو دیا۔ ابن سعد نے اپنے میمنہ پر شمر ذی الجوشن کو متعین کیا۔ رسالہ عزرہ بن قیس کو دیا۔ پیادے شبث ربعی کے حوالے کئے اور اپنے غلام آزاد دُرید کو لشکر کا علم دیا۔ اس کے بعد گھوڑے پر بیٹھے ہوئے مخالفین کو مخاطب کر کے بہت بلند آواز سے خطبہ دیا، جو نہایت موثر تھا، جسے سب لوگوں نے سُنا۔ آپ نے ارشاد فرمایا" لوگو! میری بات سن لو، میرے ساتھ جلدی نہ کرو، جو باتیں تم سے کہنا ضروری ہیں مجھے کہہ لینے دو۔ اور تم لوگوں کے پاس چلے آنے کا عذر مجھے کر لینے دو۔ اگر تم میرا عذر مان لوگے میری بات کو سچ سمجھو گے، میرے ساتھ انصاف کرو گے، تو تم نیکی حاصل کرو گے اور پھر مجھ پر الزام نہ دھر سکو گے۔ اور اگر تم میرا عذر نہیں مانتے اور میرے ساتھ انصاف نہیں کرتے، تو پھر جو تمہارا ارادہ ہو اس پر آمادہ ہو جاؤ۔ اپنے شرکاء کو پکارو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اب کوئی تردد تو تم کو نہیں، پھر میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میرا تو سہارا خدا پر ہے، جس نے کتاب کو نازل کیا ہے۔ وہی تو

نیک بندوں کو دوست رکھتا ہے۔" آپ کا یہ کلام جب آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے سنا تو رونے لگیں اور ان کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ نے حضرت عباسؑ اور علی بن حسینؑ کو انھیں چپ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور ابن عباسؓ کی بات یاد فرمائی یعنی ابن عباسؓ نے آپ کو منع کیا تھا کہ "اہل حرم کو ساتھ نہ لے جائیں۔" جب اہل حرم کے رونے کی آواز موقوف ہوئی تو آپ نے حمد و نعت فرمائی۔ حمد و نعت میں خدا جانے آپ نے کیا کیا باتیں کہیں جس کا بیان کرنا دشوار ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کسی کی ایسی فصیح و بلیغ تقریر نہ اس سے پہلے کبھی سنی تھی۔ اور نہ اس کے بعد کبھی سنی۔ اس کے بعد آپ نے کہا "میرے خاندان کا خیال کرو کہ میں کون ہوں۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ نہیں ہوں، کیا میں ان کے ولی[1] و ابن عم کا فرزند نہیں ہوں۔ جو کہ خدا پر سب سے پہلے ایمان لائے اور خدا کے پاس سے اس کا رسولؐ جو احکام لے کر آیا۔ انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ کیا سید الشہدا حمزہؓ میرے والد کے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیارؓ شہید ذوالجناحین

---

[1] جو حضرات جناب امیر علیہ السلام کو وصی مانتے ہیں وہ یہاں بجائے ولی کے وصی پڑھیں۔

میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم میں سے کسی نے یہ نہیں سنا کہ رسول اللہ نے میرے اور میرے بھائی کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں۔ جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں یہ حق بات ہے۔ اگر تم میری تصدیق کرو گے تو سن لو"[1]:

"جھوٹ بولنے والے سے خدا بیزار ہوتا ہے، اور جھوٹ بنانے والے کو اس کے جھوٹ سے ضرر پہنچتا ہے۔ میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اگر تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو تو سنو! تم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ ان سے تم پوچھو تو وہ بیان کریں گے۔ جابرؓ بن عبد اللہ انصاریؓ، یا ابو سعید خدریؓ، یا سہل بن سعد ساعدیؓ، یا زید بن ارقمؓ، یا انسؓ بن مالک سے پوچھ کر دیکھو۔ یہ لوگ تم سے بیان کریں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کی نسبت رسول اللہ صلعم کو یہی کہتے سنا ہے۔ کیا یہ امر بھی میرا خون بہانے میں تم کو مانع نہیں ہے۔"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۵۵۔

یہ سن کر شمر نے کہا "یہ خدا کی عبادت ایک ہی رُخ سے کرتے ہیں۔ خدا جانے کیا کہہ رہے ہیں"۔ حبیب بن مظاہرؓ نے جواب دیا "واللہ میں سمجھتا ہوں تو خدا کی عبادت ستر رُخ سے کرتا ہے۔ بے شک تو سچ کہتا ہے۔ تیری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خدا نے تیرے دل پہ مہر کر دی ہے"۔ پھر آپ نے ان سے فرمایا "تمہیں اس بات میں اگر شک ہے تو کیا اس امر میں بھی شک ہے کہ میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ واللہ اس وقت مشرق سے مغرب تک میرے سوا کوئی شخص تم میں سے ہو یا تمہارے سوا ہو کسی نبیؐ کا نواسہ نہیں ہے۔ اور میں تو خاص کر کے تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ یہ تو بتاؤ کہ تم اس لئے میرے درپے ہو کہ میں نے تم میں سے کسی کو قتل کیا ہے؟ یا تمہارے کسی مال کو ڈبو دیا ہے؟ یا میں نے کسی کو زخمی کیا ہے؟ جس کا قصاص مجھ سے چاہتے ہو؟" اب کوئی آپ کی بات کا جواب نہیں دیتا تھا۔ آپ نے پکار کر کہا "اے شبث بن ربعی۔ اے حجار بن ابجر۔ اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث تم

لوگوں نے مجھے یہ نہیں لکھا تھا کہ میوے پک گئے ہیں، باغ سر سبز ہو رہے ہیں، تالاب جھلک رہے ہیں، آپ کی مدد کے لئے لشکر یہاں آراستہ ہے۔ [1] ان لوگوں نے جواب دیا ہم نے نہیں لکھا تھا۔" آپ نے کہا " نہیں واللہ تم نے لکھا تھا۔" یہ سن کر آپ نے عقبہ بن سمعان سے کہا " وہ دونوں تھیلے جن میں ان لوگوں کے خطوط ہیں لاؤ۔" عقبہ دونوں تھیلے نکال لائے۔ دونوں میں خطوط بھرے ہوئے تھے، سب کے سامنے لاکر خطوں کو بکھرا دیا۔ حر نے کہا "یہ خط ہمارے نہیں ہیں۔" [2] آپ نے فرمایا " لوگو! میرا آنا تمہیں ناگوار ہو تو دنیا میں کسی گوشہ امن کی طرف مجھے چلا جانے دو۔" قیس بن اشعث نے آپ کو یزید کے ہاتھ پہ بیعت کرنے کی ترغیب دی۔ آپ نے فرمایا " اے بندگان خدا! میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہر ایسے ظالم سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔" یہ کہکر آپ نے ناقہ کو بٹھایا۔ عقبہ بن

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۳۱۔

[2] " " " " ص ۲۵۷۔

سمعان کو حکم دیا، انھوں نے ناقہ باندھ دیا۔ اب دشمنوں نے آپ پر حملہ کرنا شروع کیا، تو زہیر بن قین ایک تیار گھوڑے پر سوار ہتھیار لگائے ہوئے نکل کر آئے۔ اور کہا "اے اہل کوفہ! خدا سے ڈرو، سنو مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی کرنی واجب ہے۔ ہمارے تمہارے درمیان جب تک تلوار نہیں آئی ہے۔ اس وقت تک ہم تم بھائی بھائی ہیں، ایک ہی دین پر ایک ہی ملت پر ہیں۔ ہماری خیرخواہی کے تم لایق ہو۔ ہاں جب تلوار درمیان میں آجائے گی پھر مروت منقطع ہو جائے گی۔ خدا نے ہمیں اور تمہیں اپنے نبی محمد صلعم کی ذرّیت کے باب میں محل امتحان میں ڈالا ہے، تاکہ دیکھ لے ہم کیا کرتے ہیں تم کیا کرتے ہو۔ ہم لوگ تم کو اس امر کی طرف بلاتے ہیں کہ زیاد کے بیٹے مردود عبیداللہ کا ساتھ چھوڑ کر ذرّیت رسولؐ کی نصرت کرو، تم ان دونوں کے کل عہد حکومت میں برائی کے سوا کچھ نہ دیکھو گے"[۱]

یہ سن کر انھوں نے زہیر کو سخت کلمے کہے اور عبیداللہ ابن

---

[۱] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۵۷

زیاد کی ثنا کی اور اسے دعا دی اور کہا "ہم لوگ جب تک تمہارے سردار اور ان کے اصحاب کو قتل نہ کرلیں گے یا جب تک ان کو یا ان کے اصحاب کو گرفتار کرکے امیر عبیداللہ کے پاس نہ بھیج لیں گے اس وقت تک یہاں سے قدم نہ اٹھائیں گے۔" زہیر نے کہا بندگان خدا فاطمہؑ کی اولاد سمیہ کے بیٹے سے زیادہ نصرت و مودت کا حق رکھتی ہے، اگر تم ان کی نصرت نہیں کرتے تو خدا کے واسطے ان کے قتل سے تو باز آؤ۔ ان کو ان کے ابن عم یزید کی رائے پر چھوڑ دو، میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یزید تمہاری اطاعت گزاری سے حسینؑ کے قتل کے بغیر راضی رہے گا۔" یہ سن کر شمر ذی الجوشن نے ایک تیر زہیر کو مار کر کہا "خاموش۔ خدا تیری بک بک کو خاموش کردے، تو نے ہم لوگوں کا دماغ پریشان کر دیا ہے۔" زہیر نے جواب دیا "اے اس باپ کے بیٹے جس کا پیشاب ایڑیوں تک بہہ کر آتا تھا۔ میں تجھ سے خطاب نہیں کرتا۔ تو تو معمولی آدمی ہے۔ واللہ میں جانتا ہوں کہ کتاب خدا کی دو آیتیں بھی تو نہیں سمجھ سکتا۔ لے قیامت کی رسوائی اور عذاب الیم

مبارک ہو" شمر نے کہا "خدا تجھ کو اور تیرے رئیس کو ابھی قتل کرے گا" کہا "تو مجھے موت سے کیا ڈراتا ہے۔ واللہ حسینؑ کے ساتھ مرجانا تم لوگوں کے ساتھ زندگانی جاوید سے بہتر سمجھتا ہوں" یہ کہہ کر زہیر نے بآواز بلند سب لوگوں کی طرف خطاب کر کے کہا "بندگان خدا! واللہ محمد صلعم کی شفاعت ان لوگوں کو نہ پہنچے گی، جن لوگوں نے آنحضرت صلعم اور اہل بیت کا خون بہایا، اور ان کے نصرت کرنے والوں اور ان کے اہل بیت کے بچانے والوں کو قتل کیا" اس کے بعد حضرت امامؑ نے آپ کو بلوا لیا۔ اور کہا "تم نے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا کاش تمہاری خیر خواہی اور انتہا کی کوشش کچھ نفع کرتی"[1] اس طرح اتمام حجت کر کے آپ نے فرمایا "خدا کی حجت اب تم پر ہے مجھ پر نہیں" جوں ہی حجت ختم ہوئی دشمنوں نے تیروں سے اس کا جواب دیا اس کے بعد انصار بھی صف آرا ہو کر مقابلے کیلئے ڈٹ گئے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا "تم میں سے کوئی اپنی

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۵۸

طرف سے لڑنے میں سبقت نہ کریں۔ اسی طرف سے ابتدا ہونے دیں۔" یہ سن کر ابن سعد نے ایک تیر چلایا اور بفخریہ طور پر کہا "گواہ رہو کہ میں نے ہی سب سے پہلے لشکر امامؑ پر تیر مارا ہے۔"[1]

آغاز جنگ کے لئے عرب کے دستور کے موافق لشکر یزید سے زیاد و سالم ابن زیاد کے دو غلام پہلے میدان میں آئے، اور ادھر سے حبیب ابن مظہر اور بریر ابن حصین ان کے مقابلے کے لئے نکلے۔ انھوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد لشکر یزید سے معقل ابن یزید اور مزاحم ابن حرث میدان میں آئے، اور مارڈالے گئے۔ پھر تو گھمسان کا رن پڑا۔ ایک ایک مجاہد پر دس دس یزیدی ٹوٹ پڑے، لیکن انھوں نے نہایت دلیری و جاں بازی سے ان کا مقابلہ کیا اور حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور بہ نقصان کثیر انھیں پسپا ہونا پڑا۔ انصار میں بالخصوص حبیب بن مظاہر اور زہیر بن قین نے خوب داد شجاعت دی۔ دست بدست مقابلہ کی تاب نہ لا کر

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۶۔

دشمنوں نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا جس سے انصار سخت زخمی ہو گئے۔

بھوک پیاس کی شدت، زخموں کی تکلیف اور خون بہہ جانے کی وجہ سے نقاہت نے انصار کو مجبور کر دیا پھر بھی وہ اپنی آخری سانس تک لڑتے رہے۔ لیکن اس زبردست کثرت نے اس محدود اقلیت کو کچل دیا اور سب انصار شہید ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہ رَاجِعُون۔

بارھواں باب

شہادت حربن یزید ریاحی

ابن سعد کے ساتھ ایک چوتھائی اہل مدینہ تھے جن کا سردار عبداللہ بن زہیر یزدی تھا۔ ایک چوتھائی قبیلہ مذحج و اسد کے لوگ تھے جن کا سردار عبدالرحمن ابو سمرہ تھا اور ایک چوتھائی قبیلہ تمیم و ہمدان کے لوگ تھے، جن کا سردار حر تھا۔ حر کے سوا یہ سب لوگ قتل حسینؑ میں شریک تھے[1]۔ ایک حر تھا کہ ان لوگوں سے جدا ہو کر حسینؑ کی طرف چلا آیا۔ اور آپ کے ساتھ قتل ہوا۔ اس

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۵۳ ۔

اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ابن سعد حملہ کرنے کو بڑھنے لگا تو حر نے پوچھا، "خدا تیرا بھلا کرے، کیا تو ان سے لڑے گا؟" ابن سعد نے کہا "ہاں! واللہ لڑنا بھی ایسا لڑنا جس سے کم از کم یہ ہوگا کہ سر اڑیں گے اور ہاتھ قلم ہوں گے۔" حر نے کہا "کیا ان کی تین باتوں میں سے کسی بات کو تم لوگ نہ مانو گے؟" ابن سعد نے کہا "واللہ اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا، لیکن تیرا امیر اسے نہیں مانتا۔" حر نے قرہ سے کہا "کیا تم اپنے گھوڑے کو آج پانی پلا چکے ہو؟" کہا "نہیں پلایا۔" "کیا پھر اسے پانی پلانے چلتے نہیں۔" قرہ کو یہ گمان ہوا کہ حر کنارہ کیا چاہتا ہے، یہ جنگ میں شریک نہ ہوگا، اور چاہتا ہے کہ میں اس بات سے بے خبر رہوں مجھ سے اسے ڈر ہے کہ کہیں راز کو فاش نہ کردوں۔ اس خیال سے قرہ نے کہا "ہاں! ابھی تک پانی گھوڑے کو میں نے نہیں پلایا۔ اب جا کر پلاتا ہوں۔" یہ کہہ کر قرہ وہاں سے سرک گیا۔ وہ کہتا تھا اگر حر نے مجھے اپنے ارادے سے مطلع کیا ہوتا، تو واللہ میں بھی اسی کے ساتھ حسینؑ کے پاس چلا جاتا۔"

اب حر نے ذرا حسینؑ کی طرف بڑھنا شروع کیا، مہاجر بن اوس نے حر کی حالت کو متغیر پاکر حیرت زدہ ہوکر کہا "مجھ سے کوئی پوچھے کہ اہل کوفہ میں سب سے زیادہ کون بہادر ہے تو میں تمہارا ہی نام لوں گا۔ پھر میں یہ کیا حالت تمہاری دیکھ رہا ہوں!" حر نے جواب دیا "واللہ میں اپنے دل سے پوچھ رہا ہوں کہ دوزخ میں جانا چاہتا ہے یا بہشت میں۔ اور قسم ہے خدا کی اگر میرے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں اور میں زندہ جلا دیا جاؤں، جب بھی میں کسی شئے کے لئے بہشت کو نہیں چھوڑوں گا۔" یہ کہہ کر گھوڑے کو تازیانہ مارا، اور حسینؑ کے پاس جا پہنچا[1]۔ عرض کی "یا ابن رسول اللہ! آپ پر فدا ہو جاؤں، میں وہی شخص ہوں جس نے آپ کو واپس نہ جانے دیا، جو راستہ بھر آپ کے ساتھ پھرا کیا، جس نے آپ کو اسی جگہ پر ٹھیرنے کے لئے مجبور کیا۔ قسم ہے خدا وند لاشریک کی میں نے ہرگز یہ نہ سمجھا تھا کہ جتنی باتیں آپ ان کے سامنے پیش کریں گے، یہ ان میں سے کسی امر کو نہ مانیں گے، اور یہاں تک

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۵۹۔

نوبت پہنچ جائے گی۔ میں دل میں یہ سوچے ہوئے تھا کہ بعض
باتوں میں ان لوگوں کی اطاعت کروں، تو کیا مضائقہ ہے۔
واللہ اگر میں یہ جانتا کہ آپ کی کوئی بات یہ لوگ قبول نہ کریں گے تو
میں اس امر کا مرتکب نہ ہوتا۔ مجھ سے جو قصور ہو گیا ہے میں
خدا کے سامنے اس کی توبہ کرنے کو اور اپنی جان آپ کی نصرت میں
فدا کرنے کو آیا ہوں۔ میں آپ کے سامنے ہی مر جانے کا ارادہ
رکھتا ہوں۔ یہ فرمائیے کہ اس طرح کی توبہ قبول ہوگی؟" آپ نے
فرمایا "ہاں، خدا تیری توبہ قبول کرے گا، اور تجھے بخش دے گا،
تیرا نام کیا ہے؟" کہا "حر (آزاد) فرمایا "تو آزاد ہے تیری ماں نے
جس طرح تیرا نام آزاد رکھا ہے، انشاء اللہ، دنیا و آخرت میں
تو آزاد ہے۔ اب گھوڑے سے اُترو۔" حر نے کہا "میرا گھوڑے پر
رہنا اُترنے سے بہتر ہے تھوڑی دیر ان لوگوں سے لڑوں گا،
جب میرا وقت آخر ہوگا تو گھوڑے سے اُتر وں گا۔" آپ نے فرمایا
"اچھا! جو تمہارا دل چاہے وہی کرو، خدا تم پر رحم کرے۔"
حر یہ سن کر اپنے اصحاب کی طرف بڑھے اور حضرت امامؑ کی

شرائط میں سے کوئی ایک شرط قبول کرنے کے لئے کہا انھوں نے امیر لشکر سے گفتگو کرنے کے لئے کہا، حر نے وہی بات اس سے بھی کی، لیکن اس نے بھی نہ مانا[۱] اور پیادوں نے حر پر تیر برسانے شروع کئے، حر وہاں سے پلٹے اور حضرتؑ کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور دریافت کیا آپ مجھ سے راضی ہیں؟" آپ نے فرمایا اَنتَ حُرٌ" یعنی تو آزاد ہے (یہاں اسم معرفہ کے بجائے حر کے معنی آزاد کے لئے جائیں) حر خوش ہو کر میدان جنگ میں گئے اور نہایت جاں بازی سے لڑتے رہے لیکن تیروں کی بوچھاڑ کی وجہ سے ان کا گھوڑا سخت زخمی ہو گیا تھا، اس لئے وہ گھوڑے سے زمین پر اتر آئے۔ حضرت امامؑ نے یہ دیکھ کر ایک اسپ تازی ان کے پاس بھجوایا۔ حر اس پر سوار ہو کر پھر لڑنے لگے۔ اس اثنار میں حر بھی سخت زخمی اور تشنہ کام ہو گئے تھے۔ شمر نے لشکر کثیر کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور وہ نرغے میں پھنس گئے۔ قسور نامی ایک شخص یزیدی نے اپنے

---

[۱] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص۲۶۰۔

تیر سے حُر کو کاری زخم لگا یا۔ حُر نے بگڑ کر تلوار سے اس کا کام تو تمام کر دیا، لیکن خود بھی سخت زخمی ہو گئے۔ اور "یَا حُسَیۡنَا اَدۡرِکۡنِیۡ" (اے حسینؑ میری خبر لیجئے) چلّا کر کہا۔ حضرت امام انھیں اپنے خیمے کے قریب اُٹھا لائے، اور اپنی گود میں ان کا سر رکھ کر آستین مبارک سے ان کے چہرے سے خون اور گرد صاف کرتے جاتے تھے، جب ذرا افاقہ ہوا آنکھ کھولی۔ اپنے تئیں حضرتؑ کی گود میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مسکراتے ہوئے جاں بحق تسلیم ہوئے۔

رباعی

تقدیر کا حُر کی جو ستارہ چمکا   توفیق خدا ہو گئی جب راہ نما

ہاتھ آئی دم نزع حیات جاوید   زانو پہ جو شہ کے اپنے سر کو دیکھا (ذکی)

اس کے بعد مصعب برادر حُر، علی بن حُر اور عزرہ غلام حُر بھی لشکر یزید سے ٹوٹ کر حضرتؑ کی خدمت میں آکر اپنا قصور معاف کرا لیا۔ پھر میدان جنگ میں جا کر بیسیوں کو جہنم رسید کیا، اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حُر اور ان کے بھائی وغیرہ کی

شہادت پر حضرتؑ اور آپ کے باقی ماندہ رفقاء کو بے حد رنج ہوا[1]

---

[1] - مناصر الشہادتین ص۲۲۶ -

تیرھواں باب

شہادت عبداللہ بن مسلم رضؓ

اس وقت تک سب انصار شہید ہو چکے تھے، اور حضرت امام علیہ السلام مع انیس اقارب کے باقی رہ گئے تھے۔ ان اقارب میں سے سب سے پہلے اجازت حاصل کر کے حضرت عبداللہ بن مسلمؓ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آئے اور رجز پڑھ کر لڑنا شروع کیا۔ لشکر یزید سے پہلے قدامہ بن اسد آپ سے مقابل ہوا۔ آپ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد سب دشمنوں نے مل کر آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے

اعداد کی صفیں درہم و برہم کر دیں اور کُل نَو آدمی مار ڈالے۔
آخر کار پیاس سے بیتاب ہو کر العطش العطش پکارنے لگے۔
بھوک اور پیاس کی شدّت کے علاوہ زخموں کی تکلیف نے بھی
آپ کو کمزور کر دیا تھا۔ دشمنوں کی پیدل فوج نے یکایک آپ کو
گھیر لیا۔ خداع دمشقی نے تلوار سے نوفل بن مزاحم حمیری نے
نیزے سے اور عمرو بن صبیح نے زخم تیر سے آپ کو شہید کیا۔
امامِ عالی مقام ان کی نعش اُٹھا کر خیمے میں لے آئے اور
سب اہلِ خیمہ ل کر زار زار رونے لگے۔[۱] اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا اِلیہِ راجعون۔

---

[۱] عناصر الشہادتین صفحہ ۲۷۔

چودھواں باب

شہادت پسران عقیلؓ

حضرت جعفر بن عقیل اپنے بھتیجے عبداللہ بن مسلمؓ کو کشتہ دیکھ کر مضطرب ہو گئے، اور حضرت امامؓ سے باصرار اجازت لے کر رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں آئے اور پندرہ دشمنوں کو قتل کر کے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن عقیل نے بھی اجازت حاصل کی اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ میدان جنگ میں آئے اور خوب داد شجاعت دی۔ آپ نے کل پچاس اعداد کو تہ تیغ کیا اور آخر کار عبداللہ بن

عروہ خشمی کے تیر سے شہادت پائی۔ حضرت امام یکے بعد دیگرے دونوں نعشوں کو خیمے میں اٹھا لائے، اور اہل خیمہ نے آہ و بکا کی۔[1]

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

---

[1] عناصر الشہادتین ص ۱۲۲ و ۱۲۷۔

پندرھواں باب

شہادت فرزندان حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ

اولادِ عقیلؑ کے شہادت پانے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے نورِ نظر اور حضرت زینبؑ بنت امیر علیہ السلام کے لختِ جگر جنابِ عون و جناب محمد نے اپنی والدہ ماجدہ کی تحریک پر حضرت امامؑ سے نہایت منت و سماجت سے اجازت حاصل کی۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ دونوں کم عمر بھائی مل کر لڑے اور بعض کا بیان ہے کہ یکے بعد دیگرے لڑے۔ بہرحال دونوں نبرد آزما ہوئے۔ حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر جس طرف

رُخ کرتے پانچ دس اعدا کو تہ تیغ کرتے، اور پیاس سے بیتاب ہوکر العطش العطش کہتے ہوئے اپنے ماموں جان کے پاس آتے۔ دو چار بار آنے کے بعد حضرت امامؑ نے پانی پلانے سے اپنی مجبوری ظاہر فرماکر جام کوثر پینے کا شوق دلایا۔ پھر آپ میدان جنگ میں آئے۔ اور دس اعدا کو مار کر جام شہادت نوش فرمایا اور حضرت عونؔ بن عبداللہ کُل ستائیس آدمی مار کر شہید ہوئے۔ حضرت امامؑ ان کے لاشے خیمے میں اُٹھالے گئے اور سب اہل خیمہ ان کم عمروں کے لاشے دیکھ کر شدت غم سے بیتاب ہوگئے۔[1]
انا للہ و انا الیہ راجعون۔

---

[1] مناصر الشہادتین ص۲۷۱۔

سولھواں باب

حضرت عبداللہ بن حسنؑ اور فیروزانؑ وغیرہ کی شہادت

حضرت امامؑ، حضرت محمدؑ اور حضرت عونؑ وغیرہ کی شہادت پر ابھی رو ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن حسنؑ نے دشمنوں سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا "تم یادگار برادر ہو، تمہارے بغیر ہم کیونکر جئیں گے؟" لیکن حضرت عبداللہ نے قسمیں دے کر نہایت عجز و انکسار سے اجازت حاصل کر لی۔ بعد ازاں رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں آئے۔ آپ نے اس قدر جاں بازی اور دلیری سے جنگ کی کہ دشمن آپ کے

مقابلے میں آنے کے لئے ڈرنے لگے۔ آپ نے جب بیا سی اعداء کو قتل کر دیا تو لشکر یزید میں ہلچل پڑگئی عمرو ابن سعد نے بختری کو ایک ہزار پانسو سوار دے کر بھجوایا تاکہ حضرت عبداللہ کو چاروں طرف سے گھیر کر شہید کرے۔

یہ حال دیکھ کر حضرت امامؑ نے بھی حضرت عبداللہ کی کمک کیلئے محمد بن انسؓ، اسد بن ابی دجانہ اور اپنے ایک غلام فیروزان کو بھجوایا۔ کہا جاتا ہے کہ ان چاروں نے انھیں شکست دی تنہا فیروزان نے ایک سو کوفیوں کو تیر سے اور بیس کوفیوں کو تلوار سے ہلاک کیا، اور خود بھی زخموں سے چور چور ہو گیا۔ بے چارہ تین دن کا بھوکا پیاسا تھا، اور ایک بوند پانی کے لئے ترستا تھا۔ عمرو بن سعد کا بیان ہے کہ "اگر اس وقت فیروزان کو ذرا سا پانی مل گیا ہوتا، تو اس نے تمام لشکر یزید کو درہم و برہم کر دیا ہوتا۔" بے چارہ شدت تشنگی سے بے طاقت ہو گیا تھا۔ اسد نے اس کی حمایت کرنی چاہی، لیکن وہ بہت جلد شہید ہو گئے فیروزان کی خستہ حالی دیکھ کر حضرت عبداللہ بن حسنؑ نے اس کو اپنے گھوڑے کے

آگے بڑھالیا۔ لیکن آپ کا گھوڑا بھی بھوک پیاس اور زخموں کے باعث کمزور ہو گیا تھا۔ اس لئے تھوڑی دور جانے کے بعد رُک گیا حضرت عبداللہ نے اسے اُٹھالیا اور کسی طرح خیمے میں پہنچا آئے، جہاں وہ جاں بحق تسلیم ہوا۔ اس اثنا میں محمد بن انس انصاری بھی شہید ہو چکے تھے۔

حضرت عبداللہ فیروزان کو خیمے میں پہنچا کر آنے کے بعد پھر لڑنے لگے اور زخم پر زخم کھائے، اس وقت تک آپ کو سترہ زخم آ چکے تھے۔ اور ہر زخم سے تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔ بھوک پیاس کی شدت اور خون کے بہہ جانے کے باعث آپ نہایت نحیف و ناتوان ہو گئے تھے۔ آخر کار نیزوں اور تلواروں کے کاری زخموں نے آپ کو شہید کیا۔

حضرت امامؑ دونوں انصار اور بھتیجے کے لاشے اُٹھا کر خیمے میں لے گئے، جنھیں دیکھ کر اہل خیمہ بہت رونے لگے۔[1] انا للہ و انا الیہ راجعون۔

---

[1] عناصر الشہادتین صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۴۔

سترھواں باب

حضرت قاسم بن امام حسنؑ کی شہادت

بھائی کے جام شہادت نوش فرمانے کے بعد حضرت قاسم نے اپنا شوق شہادت ظاہر فرما کر حضرت امامؑ سے اجازت طلب فرمائی۔ آپ نے جواب دیا "تم میرے بھائی کی نشانی ہو میں تمہیں اجازت دینے سے قاصر ہوں"۔ حضرت قاسم گریبان میں منہ ڈال کے رونے لگے، دفعتاً ان کے والد کا دیا ہوا تعویذ انہیں یاد آگیا۔ یہ تعویذ حضرت امام حسنؑ نے خود لکھ کر ان کے بازو پر باندھا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ جب تو نہایت مشکل مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو

اسے کھول کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔" چنانچہ حضرت قاسم نے اسے کھول کر پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ "اے قاسم میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ جب تم اپنے چچا حسینؑ کو کربلا میں دغا باز کوفیوں کے پنجے میں گرفتار پانا تو اپنا سر ان کے قدموں پر فدا کر دینا، ہرچند کوئی روکے نہ ماننا، یہاں تک کہ اگر تمہارے چچا اور ماموں بھی روکیں تو ہرگز نہ ماننا۔" یہ تحریر گویا ایک اجازت تھی، حضرت امامؑ اسے دیکھ کر مجبور ہو گئے۔ اور حضرت قاسم کو گلے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آخر کار بادل ناخواستہ اجازت عطا کی۔ حضرت قاسم نے میدان جنگ میں آکر کئی ایک دشمنوں کو قتل کیا، پھر عمرو بن سعد کو مخاطب کرکے بآواز بلند حسب ذیل تقریر فرمائی۔

"اے جفا کار، فرزندان ساقی کوثر کو ایک بوند پانی کے لئے ترساتا ہے، اور تیروں تلواروں کی بارش سے انہیں شہید کرتا ہے، اور اہل بیت کی بے کسی پر خوش ہوتا ہے، ارے بے حیا! تیرے جانور تک آب و دانہ پاتے ہیں، اور ہم اطفال و اہل بیت آب و دانے سے محروم ہیں۔ تو نے کئی ایک نبی زادوں کو شہید

کر ڈالا۔ قیامت کے دن خدا اور رسول کو کیا منھ دکھائیگا اور کیا عذر کریگا۔"

یہ سن کر ابن سعد نے جواب دیا "جب تک آپ لوگ یزید کے لئے بیعت نہ کرینگے آرام سے محروم رہیں گے۔" آپ اس کی بدبختی پر اظہار نفرت فرما کر پھر لڑنے لگے۔ ابن سعد نے اپنے سپہ سالار ازرق شامی کو طیش دلا کر بھیجا، لیکن اس نے ایک نوجوان سے لڑنا اپنے لئے کسر شان سمجھا اسلئے پہلے اپنے بیٹے کو ایک زہر آلود خنجر دے کر آپ سے لڑنے کے لئے بھجوایا۔ حضرت قاسم نے بڑی دلیری سے اس کا کام تمام کر کے اس کا زہر آلود خنجر چھین لیا۔ اور اس کے بال ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر گھسیٹتے رہے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ازرق کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا بیٹا بھی لڑ کر مارا گیا۔ بعد ازاں خود ازرق غصے سے آگ کی طرح جلتا ہوا مقابلے کے لئے آیا، اور نیزے کی ضرب سے حضرت قاسم کے گھوڑے کو مار ڈالا۔ آپ زمین پر اتر پڑے اور ازرق سے بحکم اَلحَربُ خِدعَۃٌ۔ (جنگ دھوکہ ہے) کہا "مارے خوف کے تیرے اوسان کیوں خطا ہو گئے، دیکھ تو سہی تیرے گھوڑے کی خوگیر ڈھیلی ہو گئی۔" یہ سن کر وہ خوگیر دیکھنے لگا، آپ نے پھرتی سے

اسے ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ اسکا سر تن سے جدا ہو گیا پھر آپ اسکے گھوڑے پر سوار ہو کر خیمہ میں آئے اور پانی مانگا حضرت امام نے فرمایا "تمہارے والد بھائی، دادا جانؑ اور نانا جانؐ جنت میں منتظر ہیں اور جام کوثر سے تمہاری پیاس بجھانے کیلئے آمادہ ہیں" یہ سن کر آپ پھر رن میں آئے اور تیس پیدل اور پچاس سوار مار ڈالے۔

یہ بہادری دیکھ کر ابن سعد فکرمند ہو گیا، کہ کہیں لشکر مرعوب نہ ہو جائے اسلئے اس نے چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کرنیکا حکم دیا۔ آپ کا گھوڑا زخموں سے چور چور ہو گیا تھا اسلئے زمین پر اتر گئے تھے شیث بن عمرو بن سعد نے دھوکے سے آپ کے سینہ مبارک ایسا نیزہ مارا کہ پشت مبارک سے پار ہو گیا۔ اسکے بعد بھی آپ لڑتے رہے اور ستائیس زخم کھا کر یا عماہ ادرکنی "اے چچا میری خبر لیجئے" کہتے ہوئے بیہوش ہو گئے۔ حضرت امام آپ کو اٹھا کر خیمے میں لے آئے اور اپنے زانوں پر ان کا سر رکھ کر دامن سے خاک و خون پونچھ رہے تھے۔ حضرت قاسم نے ایک آنکھ کھولی اور اپنے چچا اور والدہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور مسکراتے ہوئے دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اسکے بعد حضرت عمر و حضرت ابوبکر پسران جناب امام حسنؑ باجازت میدان جنگ میں گئے اور حسب حوصلہ کئی ایک دشمنوں کو قتل کر کے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت امام انکے لاشے خیمے میں اٹھا لے گئے، جہاں ایک کہرام مچ گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون [1]

---

[1] عناصر الشہادتین صفحہ ۲۷۷ تا ۲۸۰

اٹھارھواں باب

فرزندانِ حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت

اس کے بعد حضرت ابو بکر بن علی حضرت امامؑ سے اجازت طلب کر کے میدان جنگ میں آ گئے اور حضرت شبیرؑ کی مدح میں اشعار پڑھتے ہوئے جنگ شروع کی اور نہایت بے جگری سے لڑ کر بیسیوں اعداء کو تہ تیغ کیا اور اکیس زخم کھا کر شہید ہوئے۔ آپ کے شہید ہو چکنے کے بعد حضرات عمر و عثمان و عون و جعفر و عبداللہ فرزندان حضرت علی علیہ السلام یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں آئے اور اپنے اپنے حوصلے کے موافق داد شجاعت دیکر جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت امامؑ ان سب کے لاشے اٹھا کر خیمے میں لے گئے، اور سب اہل خیمہ نے ان کمسن شہداء کی شہادت پر خون کے آنسو بہائے۔[1]

انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون

---

[1] عناصر الشہادتین ص ۲۸۱۔

انیسواں باب

شہادت حضرت عباسؓ

بھائیوں کے شہید ہونے کے بعد حضرت عباسؓ ابن جناب سیدنا علی علیہ السلام نے حضرت شبیرؑ سے اجازت طلب کی۔ اس لحاظ سے کہ آپ لشکر کے علمبردار اور حضرت امامؑ کی قوت بازو تھے۔ حضرت امامؑ نے اجازت دینے سے پہلو تہی کی، لیکن حضرت عباسؓ نے بھائیوں کے خون کا انتقام لینے کا خیال ظاہر فرمایا اور بچوں کی تشنگی پر بھی زور دیا۔ اسلئے حضرت امامؑ کو مجبوراً اجازت دینی پڑی۔ آپ نے ایک مشک گھوڑے پر رکھی اور رن کو سدھارے۔

سب سے پہلے آپ نے حضرت شبیرؑ کا پیام نہایت پر درد لہجے میں پہنچایا۔ آپ نے فرمایا "اے سپاہ شام! بھائی جان فرماتے ہیں

تم نے میرے برادروں اور عزیزوں کے سر اُتار لئے۔ اور باقیماندہ کو پانی کی ایک بوند کیلئے ترساتے ہو، ذرا آنکھ کھولو، خدا اور رسول ؐ کو پہچانو، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے پلانے کیلئے تھوڑا سا پانی دو، ہمیں چھوڑ دو کہ ہم مدینہ واپس چلے جائیں، یا سرحد کی فوج میں شریک ہوکر ترکوں سے مقابلہ کریں[1] یا ہمیں صحیح و سالم یزید کے پاس بھجوایا جائے۔" اس تقریر کو سن کر یزید کے لشکری سخت متاثر ہوئے۔ اور بعض رونے لگے۔ لیکن شمر، شیث اور حجریہ نے جواب دیا کہ "اگر دریائے فرات اُبل جائے اور تمام روئے زمین پانی ہو جائے، تب بھی ہم اہل خیمہ کو ایک قطرہ پانی نہ ملنے دیں گے اور جب تک آپ بیعت نہ کرلیں کسی طرف جانے بھی نہ دیں گے۔" یہ سن کر آپنے حضرت امامؑ کی خدمت میں آکر حالات کی اطلاع دیدی۔ اتفاقاً اس وقت خیمے میں صدائے "العطش العطش" بلند تھی، یہ سن کر پھر آپ رن کو سدھارے اور لڑتے بھڑتے دریائے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ لیکن اعداء نے وہاں بھی روکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اے لوگو! کہو تم کافر ہو، یا مسلمان یلہ ہو دہو۔" انھوں نے جواب دیا "ہم سب مسلمان ہیں۔" آپ نے فرمایا "افسوس ہے ایسے مسلمانوں پر، چرند و پرند اور

---

[1] ترجمہ تاریخ اسلام مصنفہ مولانا امیر علی مرحوم ص۹۶۔

اور یہود سب فرات سے پانی پیتے ہیں مگر اہل بیت اطہار قطرۂ آب کیلئے ترستے ہیں۔ خدا اور رسولؐ سے شرماؤ اور قیامت کی پیاس اور دوزخ کی آگ سے ڈرو" اسکے بعد آپ نے ہر روکنے والے کو تلوار کے گھاٹ اتارتے ہوئے دریائے فرات میں گھوڑا ڈال ہی دیا۔ اور پانی سے مشک بھر لی۔ اور چاہا کہ ایک چلو پانی پی لیں۔ جونہی ہاتھ میں پانی اٹھایا بچوں اور اہل بیت کی تشنگی یاد آ گئی اسلئے خیال فرمایا کہ جب تک بچوں کو پانی نہ پلاؤں گا خود بھی نہ پیونگا" اس خیال کے آتے ہی پانی پھینکدیا اور گھوڑا اڑا کر خیمے کی طرف روانہ ہوئے۔

نوفل نے تلوار کے وار سے داھنا ہاتھ شہید کر ڈالا آپ نے پھرتی سے بائیں ہاتھ میں مشک لے لی، ناگاہ ایک شقی نے خنجر کے وار سے بایاں ہاتھ بھی شہید کر ڈالا آپ نے تیزی سے دانتوں میں مشک تھام لی۔ جب اعدا نے دیکھا کہ آپ خیمے میں پانی پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں تو چاروں طرف سے گھیر کر سخت زخمی کر دیا، یہاں تک کہ آپ کا جسم مبارک زخموں سے پاش پاش اور خون آلود ہو گیا گھوڑے سے زمین پر گرتے ہوئے فرمایا "اے بھائی عباسؑ کی خبر لیجئے" حضرت امامؑ دوڑے ہوئے ان کے پاس گئے، آپ نے آنکھ بھر کے بھائی کو دیکھا اور ہمیشہ کیلئے آنکھ بند کر لی۔

حضرت امامؑ بھائی کا لاشہ اٹھا کر خیمے میں لے گئے، اور اہل خیمہ کی زاری "وامصیبتا" کے شور سے دشت کربلا گونج اٹھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ؔ۔ عناصر الشہادتین صفحہ ۲۸۱ تا ۲۸۵ ۔

بیسواں باب

شہادت جناب علی اکبر

ع۔ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

بھائی کے شہید ہونے کے بعد حضرت امامؑ خود جہاد کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور خیمے میں جا کر جناب عابدؑ کو جو اس وقت سخت علیل تھے گلے سے لگا کر رونے لگے۔ اور حرف مطلب ظاہر فرمایا۔ یہ سن کر آپ کے صاحبزادے جناب علی اکبر (جو حسن صورت میں سرور کائنات صلعم سے بالکل مشابہ تھے، اور عاشقان رسولؐ آپ کی رفتار و گفتار پر دل و جان سے فریفتہ تھے) آپ کی کمر سے لپٹ گئے، اور پہلے خود جام شہادت پینے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دینے سے انکار فرمایا، لیکن بمصداق ؎

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہئے سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آپ کا جذبۂ شہادت حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ہاتھ جوڑکر بار بار عاجزانہ درخواست کرتے تھے اور قدموں پر پیشانی رگڑتے تھے۔ آخرکار مجبور ہو کر آپ نے حضرت لیلیٰ بنت ابی مرہ ثقفیہؓ سے اجازت طلب کرنے کے لئے فرمایا۔

آپ کی والدہ حضرت ام لیلہ کا دل مسلسل صدمات کے داغوں سے لالہ زار بنا ہوا تھا سہ

میرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا　　طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

انھوں نے اپنے نوجوان صاحبزادے کو جس کا اٹھارہ سال کا سن تھا رن میں جانے سے منع کیا اور لپٹا کر زار زار رونے لگیں۔ لیکن جناب علی اکبر نے کسی طرح نہ مانا اور اپنے والد بزرگوار سے پہلے شہید ہونے پر تلے رہے۔ آخرکار سخت مجبور ہو کر اس دکھیاری ماں نے کہا "اے علی اکبر! تیرے فراق سے دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے، لیکن جب تم نہیں مانتے ہو تو بسم اللہ ارادہ کرو۔" غالباً ملت پر فدا یت اور ایثار کی ایسی عظیم الشان مثالیں تاریخ اسلام میں بہت کم ملیں گی حضرت

امامؑ نے اپنے دست مبارک سے انھیں لباس پہنایا اور اسلحہ جنگ لگاکر مسلح فرمادیا۔کہتے ہیں کہ حضرت سرورکائناتؐ کا عمامہ سر پر رکھا۔ اور جناب امیر علیہ السلام کا پٹکہ زیب کمر فرمایا۔ حضرت حمزہؓ کی زرہ پہنائی اور ذوالفقار حیدری مونڈھے پر لٹکائی۔

جب آپ رن میں آئے تو آپ کے حسن خدا داد کو دیکھ کر سب اعداد حیران ہوگئے۔ اور آپ کی اٹھتی ہوئی جوانی پر انھیں بھی ترس آگیا، کوئی دشمن آگے نہ آتا تھا۔ آخرکار خود آپ نے پیش قدمی فرمائی۔ جدھر جاتے بیسیوں کو مار ڈالتے۔ جب لڑتے لڑتے تھک گئے تو حضرت امامؑ کی خدمت میں آکر پانی طلب کیا۔ امامؑ عالی مقام نے جناب سکینہ خاتون اور جناب علی اصغر کی معصومیت کا ذکر فرماکر تسکین دی اور اپنی انگوٹھی چسائی۔ جس سے اس نوجوان مجاہد کو پیاس کی شدت میں ایک گونہ کمی محسوس ہوئی۔

اس کے بعد پھر آپ رن میں آئے، لیکن اعدادین سے

کوئی پیش قدمی کرتا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ ابن سعد نے مجبور ہو کر طارق کو اپنی انگوٹھی دی اور موصل کی حکومت دینے کا وعدہ کیا۔ طارق نے آتے ہی تلوار کا وار کیا، آپ نے اسے سپر پر روک لیا، اور اس کے سینے پر ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ سے نکل گیا۔ پھر تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔ اس کے بعد طارق کے دو بیٹوں اور ایک پہلوان کو بھی قتل کیا۔

یہ ہاشمی شجاعت دیکھ کر ابن سعد پریشان ہو گیا اور سپاہ کو یکدم حملہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ جس طرف رخ فرماتے بیس بیس تیس تیس دشمنوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے۔ لیکن اس اثنار میں آپ بھی کافی زخمی ہو چکے تھے، بھوک اور پیاس کی شدت اور زخموں کی تکلیف کی شکایت کرنے کے لئے دوبارہ حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انھیں جنت میں جا کر جام کوثر پینے کا شوق دلایا۔ اس کے بعد جب جناب علی اکبر میدان کارزار میں آئے تو ہاتھ روک کر صبر و ثبات کا مجسمہ اور کوہ استقلال بنے کھڑے رہے۔ ابن نمیر نے موقع پا کر آپ کے

جسم مبارک پر ایک ایسا نیزہ مارا جو پشت سے نکل آیا۔ آپ گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور "یا اَبتاہُ ادرکنیّ" (اے ابّا میری خبر لیجئے) کا نعرہ بلند کیا، اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ جناب امام مظلومؑ روتے ہوئے لاشہ اُٹھا کر خیمے میں لے گئے۔ سیدانیوں کی گریہ زاری سے دشمنوں کے دل بھی ہل گئے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا "میری کمائی لُٹ گئی۔" حضرت زینب اور جناب لیلیٰ بنت ابو مرہ ثقفیؑ اُس جواں مرگ کی لاش سے چمٹ کر بین کرنے لگیں۔ آہ[1] ؎

ع۔ رہیں دل کی دل ہی میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

---

[1] ۔ مناصر الشناوتین ص ۲۸۶ تا ۲۹۳

اکیسواں باب

جنابِ سکینہؑ کی تفویض اور شہادتِ جنابِ علی اصغرؑ

نوجوان بیٹے کے شہید ہونے کے بعد حضرت امامؑ خیمے میں تشریف لے گئے اور سب کو خدا حافظ کہا اور اپنی چھوٹی صاحبزادی سکینہ خاتون کو اپنی ہمشیر حضرت زینبؑ کے حوالے کر کے فرمایا "اے بہن! اس کی ناز برداری کرنا اب تھوڑی دیر میں یہ بے پدر ہو جائیگی، اسے رونے نہ دینا اور ہر طرح اس کی خاطر ملحوظ رکھنا!" یہ سُن کر حضرت زینبؑ نے جواب دیا "میں ہر طرح اس کی ناز برداری کر سکتی ہوں، لیکن جب یہ "ابّا جان!" کہہ کر پکاریں گی تو میں تمہاری صورت انھیں کہاں سے لا کر دکھاؤں گی!" یہ جواب سُن کر سب

اہل خیمہ کے دل دہل گئے۔

حضرت امامؑ نے سب کو خدا حافظ کہا اور دعا فرمائی کہ "حق تعالیٰ تم سب کو صبر عطا فرمائے اور عزت و حرمت کیساتھ مدینہ پہنچائے۔" یہ کہہ کر آپ گھوڑا بڑھانا چاہتے ہی تھے کہ خیمے سے آہ و زاری کی ایک جگر خراش آواز سنی۔ آپ پھر خیمے میں آئے اور گریہ و زاری کا سبب دریافت فرمایا۔ حضرت شہربانوؑ نے فرمایا "کئی دن سے یہ طفل شیر خوار علی اصغر بے آب و بے شیر ہے اور اب کوئی دم کا مہمان ہے۔ اگر اعداد ایک چلو پانی اسے دے دیں تو شاید اس شیرخوار کی جان بچ جائے۔" امام کرمؑ نے درود شریف پڑھ کر دم فرمایا اور اس دم توڑتے ہوئے شیرخوار بچے کو گود میں اٹھا کر رن میں لے گئے۔

پھر اعداد سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا "لوگو! بالفرض غلط قصور وار ہوں تو میں ہوں۔ لیکن یہ شیرخوار بچہ معصوم و بے گناہ ہے، اور تم سے پانی کے ایک گھونٹ کا طالب ہے، خدا کے لئے ایک

گھونٹ پانی اسے پلا دو، شاید یہ بے زبان معصوم بچ جائے۔"[۱]
اعداء نے کہا "ابن زیاد کے حکم کے بغیر آپ کو اور آپ کے بچوں کو ایک بوند پانی دینا بھی منع ہے۔" ناگاہ ایک سفاک نے ایسا تیر مارا کہ جناب علی اصغر کے گلے سے پار ہو کر حضرت امام کے بازو کو زخمی کرتا ہوا باہر نکل گیا اور جناب علی اصغر مرغ بسمل کی طرح تڑپ کر رہ گئے۔

حضرت امام اس معصوم شہید کی نعش خیمے میں لے گئے اور روتے ہوئے حضرت شہربانو سے فرمایا "دشمنوں نے اس معصوم کو بھی شہید کر ڈالا" حضرت شہربانو، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور خصوصاً جناب سکینہ اس غنچہ ناشگفتہ کو لپٹا کر زار زار روئیں۔[۲] انا للہ وانا الیہ راجعون

ہ

علی اصغر وہ نازک غنچہ تھے دنیا کے غنچوں میں
جو اس گلزار میں عمر گل تر لے کے آتے ہیں

(ذکی)

۱۔ عناصر الشہادتین صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۰
۲۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۷۔

بائیسواں باب

شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام

دن چڑھتے ہی حضرت امامؑ کا شوق شہادت جوش زن ہوا۔ اہل بیت اطہار کی فکر اور شہدائے ماقبل کا ملال دل سے حرف غلط کیطرح مٹ گیا۔ اب صرف سر کٹا کر شہادت پانے کا خیال دامنگیر تھا۔ بقول مولانا امجدؔ ؎

سیکھو طریقۂ وصال سیدنا حسینؑ سے ہم نہ اگر گلہ کٹائیں کوئی گلے لگائے کیوں؟

آپ کی آمادگی شہادت دیکھ کر حضرت زین العابدین بھی بستر علالت سے اُٹھ بیٹھے اور رن میں جانے کی اجازت مانگی۔ آپ نے جواب دیا "دنیا میں میری نسل فقط تمہیں سے باقی رہے گی"۔ اس کے بعد آپ نے اپنی عربی پوشاک زیب تن فرمائی اور عمامۂ نبوی سر پر

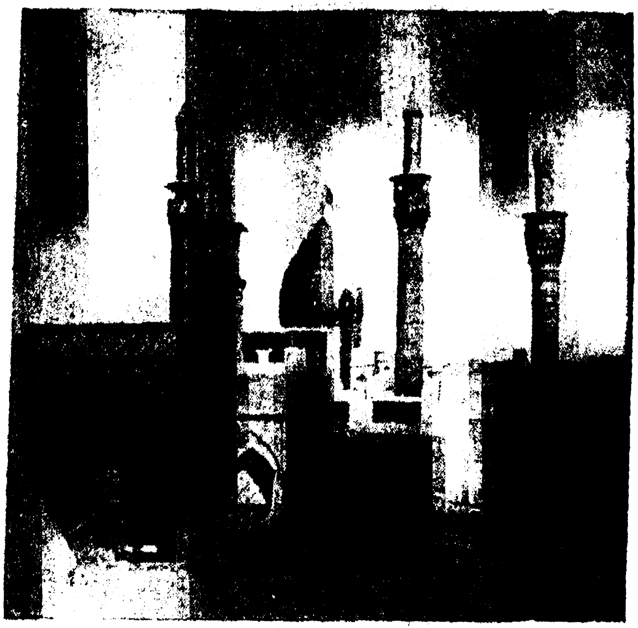

روضۂ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

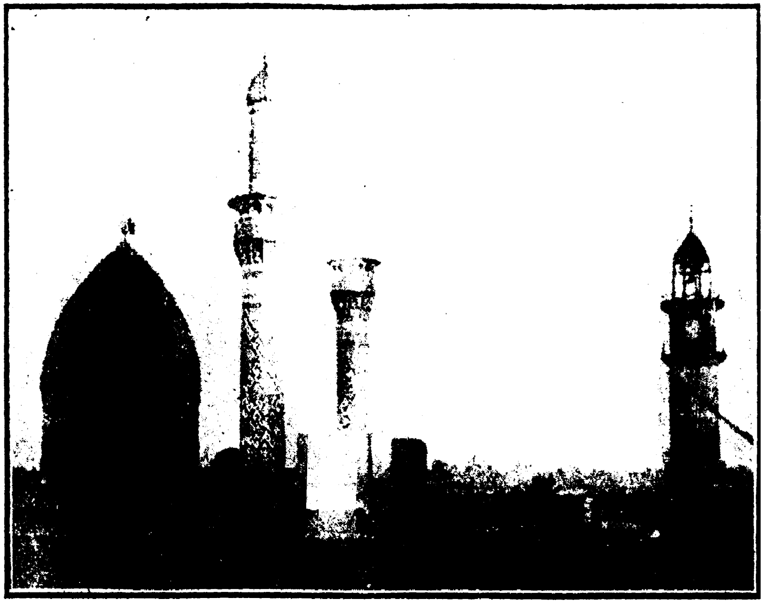

روضۂ حضرت عباس علیہ السلام (کربلائے معلا)

باندھا۔ حضرت امیر حمزہؓ کی ڈھال لی۔ اور ذوالفقار حیدری موڈھے پر لٹکائی۔ جب آپ برق رفتار اسپ تازی پر میدان جنگ میں آئے تو زمین آسمان پر سناٹا سا چھا گیا اور اعدا خوف کے مارے کانپنے لگے۔ آپ نے اعداء کو مکرر مخاطب فرما کر اپنی بے گناہی، اعزہ کی شہادت اور اپنے فضائل بیان فرمائے، آخر میں شوق شہادت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا "اگر خدا و رسول صلعم کا کچھ خوف ہو تو مجھے کسی طرف کو نکل جانے دو، اور میرے مارنے ہی پر کمر بستہ ہو تو آؤ میرا سر اور تمہارا خنجر"۔ یہ اثر آفریں تقریر سن کر اہل لشکر سخت متاثر ہوئے اور قریب تھا کہ اکثر اعداء حر کی طرح لشکر یزید سے ٹوٹ کر حضرت امام علیہ السلام کا ساتھ دیں۔ لیکن موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے شمر نے چلا کر اہل لشکر کو یزید کا خوف دلایا اور دولت کا لالچ دیکر پھر ہموار کر لیا۔ پھر حضرت امامؑ سے جواباً کہا "جب تک آپ یزید کی بیعت قبول نہ فرمائیں گے، ہم آپ کو کہیں جانے نہ دیں گے اور پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ دیں گے"۔

سب سے پہلے تمیم شام کا سردار آپ کے مقابلے کے لئے

آیا تو آپ نے ہاتھ روک لیا، پھر کیا تھا اعداء نے آپ پر چاروں طرف سے تیروں اور تلواروں کی بارش کی۔ آپ نے جسم مبارک پر بہتر کاری زخم کھائے تھے اور پیشانی پر بھی ایک گہرا زخم آیا تھا۔ جس میں سے فوارے کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ خون کے بہہ جانے اور شدت تشنگی سے آپ ناتوان ہو گئے تھے۔ اس کے بعد آپ گھوڑے سے زمین پر اتر آئے۔ اور قبلہ رو ہو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں فرمانے لگے۔ چہرۂ اقدس خون سے رنگین اور غشی کا عالم طاری تھا۔ اس اثناء میں ایک دو دشمن آپ کے قتل کے ارادے سے آئے، لیکن بارِ گناہ سر پر لینے سے ڈر گئے۔ آخر کار شمر نے آگے بڑھ کر آپ کو شہید کرنا چاہا ؎

بر بوسہ گاہِ خاتمِ پیغمبراں رسید زخمِ ستم زِ خنجرِ بّرانِ کربلا (ذوکی)

آپ نے قاتل سے دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کر کے نماز شروع فرمائی، لیکن شمر صبر نہ کر سکا اور اس نے پہلے ہی سجدے میں سر مبارک اتار لیا۔ (۱۰ محرم ۶۱ھ / ۶۸۰ء) ؎

معراج دید کیوں نہ ہو ایسے نیاز میں شمرِ لعیں نے سر کو اتارا نماز میں (فلک)

بڑھا آپ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اسکے بعد آپ اعدا کی صفوں کو چیرتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے تک پہنچ گئے اور ایک چلّو پانی اُٹھا کر پینا چاہا، لیکن اسی وقت اباآنی نے ایک تیر ایسا مارا جو آپ کی تھوڑی میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے اس تیر کو کھینچ کر دونوں چلو لگا دیے۔ خون دونوں چلوؤں میں بھر گیا۔ آپ نے فرمایا "خداوندا تیرے پیغمبر کے نواسے کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے میں اس کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں"[1] یہ کہہ کر آپ نے پانی پھینکدیا اور واپس ہو کر اعدا سے جنگ کرنے میں مصروف ہو گئے جس طرف رُخ فرماتے اعدا کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے چار سو اعدا کو تہِ تیغ فرمایا تھا۔ عبداللہ بن عمار (جو اس جنگ میں لشکر یزید کی طرف سے شریک تھا) کہتا ہے کہ "آپ کے جیسا لڑنے والا میں نے کبھی نہیں دیکھا، آپ کے دھنے بائیں لوگ اس طرح بھاگتے تھے جیسے گرگ کے حملے سے بکریاں بھاگتی ہیں"[2] لڑتے لڑتے جب نماز جمعہ کا وقت قریب

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۸۰۔
[2] " " " " " صفحہ ۲۸۲۔

آیا تو آپ نے ہاتھ روک لیا، پھر کیا تھا اعدا نے آپ پر چاروں طرف سے تیروں اور تلواروں کی بارش کی۔ آپ نے جسم مبارک پر بہتر کاری زخم کھائے تھے اور پیشانی پر بھی ایک گہرا زخم آیا تھا۔ جس میں سے فوارے کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ خون کے بہہ جانے اور شدت تشنگی سے آپ ناتوان ہو گئے تھے۔ اس کے بعد آپ گھوڑے سے زمین پر اُتر آئے۔ اور قبلہ رو ہو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں فرمانے لگے۔ چہرۂ اقدس خون سے رنگین اور غشی کا عالم طاری تھا۔ اس اثناء میں ایک دو دشمن آپ کے قتل کے ارادے سے آئے، لیکن بارِ گناہ سر پر لینے سے ڈر گئے۔ آخر کار شمر نے آگے بڑھ کر آپ کو شہید کرنا چاہا ؎

بر بوسہ گاہِ خاتمِ پیغمبراں رسید   زخمِ ستم زِ خنجرِ تَرانِ کربلا (ذکی)

آپ نے قاتل سے دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کر کے نماز شروع فرمائی، لیکن شمر صبر نہ کر سکا اور اس نے پہلے ہی سجدے میں سر مبارک اتار لیا۔ (۱۰ محرم ۶۱ھ ۶۸۰ء) ؎

معراج دید کیوں نہ ہوا ایسے نیاز میں   شمرِ لعیں نے سر کو اتارا نماز میں (ذکی)

کیا محبان حسینؑ اس اسوۂ حسینی کی اتباع کر کے پابند نماز ہو جائیں گے؟

روح مقدس لا الہ الا اللہ کہتی ہوئی سدھاری۔ اس وقت آپ کا سن چھپن برس پانچ مہینے پانچ دن کا تھا۔

آپ جو لباس پہنے ہوئے تھے وہ بھی لٹ گیا بجر بن کعب نے پائجامہ لیا، قیس بن اشعث نے چادر اتار لی۔ اسود نے نعلین لے لی۔ بنی نہشل کے ایک شخص نے تلوار نکال لی[1] لشکر یزید میں شادیانے بجنے لگے، آپ کی سواری کا گھوڑا خون مبارک میں اپنا سر رنگ کر خیمے کی طرف دوڑا ہوا گیا۔ اور روتا ہوا خیمے کے آگے کھڑا ہو گیا۔ اور حضرت زین العابدینؑ کے قدموں پر منھ ملنے لگا۔ گھوڑے کی اس حالت کو دیکھ کر خیمے میں ایک کہرام مچ گیا گھوڑا پھر وہاں سے نکل کر نعش مبارک پر آیا اور اعداء کو ٹاپوں سے مار مار کر ہٹا دیا۔ پھر ادھر ادھر دیوانہ وار پھرتا رہا اس کے بعد نہایت سرعت سے جنگل کی طرف نکل گیا۔

ابن سعد کے حکم سے دس سواروں نے نعش مقدس کو روند کر پارہ پارہ کر دیا۔ شہادت پاتے ہی آپ کے سر مبارک کو

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۸۳۔

خولی کے ہاتھ حمید بن مسلم کو ساتھ کر کے ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا گیا۔[1] حمید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ "میں نے دیکھا کہ ابن زیاد کے سامنے حسینؑ کا سر رکھا ہوا تھا اور وہ ایک ساعت حسینؑ کے دانتوں کو کھٹکھٹاتا رہا۔ جب حضرت زید بن ارقمؓ نے دیکھا کہ وہ چھڑی سے دندان مبارک کو کھٹکھٹانا موقوف نہیں کرتا تو فرمایا "اپنی چھڑی کو ان دانتوں سے ہٹا، وحدہٗ لاشریک کی قسم ہے کہ رسول اللہ صلعم کو میں نے دیکھا کہ اپنے لب مبارک ان دانتوں پر رکھ کر پیار کرتے تھے۔" یہ کہہ کر وہ پیر مرد زار زار رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا "خدا تجھے رلائے، اگر تو پیر فرتوت نہ ہوتا، جس کی عقل جاتی رہی ہو تو واللہ میں تیری گردن مارتا۔" زیدؓ یہ سن کر اٹھے اور وہاں سے چلے گئے۔"[2]

گبن لکھتا ہے کہ "اس دور دراز زمانہ اور ملک میں بھی حسینؑ کے سفاکانہ اور ظالمانہ شہادت کا سین سنگدل سے سنگدل ناظر کتاب کو خون کے آنسو رلائے گا۔"[3]

ام المومنینؓ حضرت ام سلمٰیؓ فرماتی ہیں کہ "عاشوراء کے دن

---

[1] ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۸۵۔
[2] ۔ ۲۸۶
[3] ۔ تاریخ اسلام مولفہ مولانا امیر علی مرحوم صفحہ ۶۔

بعد نماز جمعہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر و ریش مبارک پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے؟ فرمایا، ابھی میں حسینؑ کی قتل گاہ سے چلا آتا ہوں۔"

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے ہیں میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے روتے ہیں۔ آپ کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور گرد و غبار سے سر اور ریش مبارک اٹی ہوئی ہے اور آپ کے دست مبارک میں ایک شیشہ ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ اس وقت میں نے بے قرار ہو کر پوچھا روحی فداک یا رسول اللہ صلعم آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا ابن عباسؓ! کیا پوچھتے ہو اس وقت فرزند نور عین میرا حسینؑ قتل ہو گیا۔ آج صبح سے اب تک اس شیشے میں اپنے عزیزوں اور حسینؑ کا خون اٹھاتا پھرتا ہوں!!

اُم المومنین حضرت ام سلمٰیؓ بیان فرماتی ہیں کہ "ایک دن امام حسنؑ اور امام حسینؑ میرے گھر میں کھیلتے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے آکر عرض کی آپ کے بعد آپ کی اُمت ان دونوں نبی زادوں کو شہید کرے گی۔ اور یہ مٹی حسینؑ کے مقتل کی ہے۔ آپ نے اس مٹی کو سونگھ کر فرمایا اس میں

رنج وملال کی بو آتی ہے۔ وہ مٹی آپ نے مجھے دی اور فرمایا اے ام سلمیٰ رضؓ!
جب یہ مٹی خون ہو جائے تو جانو کہ میرا بیٹا شہید ہوگیا۔ حضرت ام سلمیٰ رضؓ
فرماتی ہیں میں نے رو کر وہ مٹی شیشے میں بند کر رکھی۔ جب حسینؑ گھر سے
کوفے کی طرف گئے میں بار بار اس مٹی کو دیکھا کرتی تھی اور رو رو کر
آہ سرد بھرتی تھی۔ شب عاشورا کو دیکھی تو وہ مٹی ویسی ہی تھی صبح کو
دیکھی تو ویسی ہی تھی۔ لیکن جب دوپہر ڈھلنے کے بعد دیکھی تو وہ مٹی
خون ہوگئی تھی۔ اور اس کی کنکریوں سے تازہ لہو ٹپک رہا تھا۔
اعدائے دین کے خوف سے خاموش رہ گئی پھر جب کربلا سے خبر آئی تو
معلوم ہوا کہ جس وقت یہاں اس شیشے کی مٹی خون ہوگئی تھی اسی
وقت وہاں حسینؑ نے شہادت پائی تھی۔ جس روز حضرت حسینؑ
شہید ہوئے ہیں اسی دن مدینے میں یہ آواز آئی "حسینؑ کے قاتلو!
تم کو عذاب و رسوائی مبارک۔ تمام اہل آسمان و ملائک وانبیاء
تم پر دعائے بد کر رہے ہیں، تم پر داؤدؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ علیہم السلام نے
لعنت بھیجی ہے۔" عمرو بن عکرمہ کہتا ہے کہ میں نے یہ آواز سنی اور
عمرو بن خیروم کلبی کہتا ہے کہ میرے باپ نے بھی یہ آواز سنی تھی۔[1]

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۹۸۔

ناظرین کرام! اس داستان غم فزا کا لفظ لفظ نصیحت سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت امام نے کوہ استقامت و صبر بن کر یہ تعلیم دی ہے کہ ہر کربلا میں ہم حق پر اڑے رہیں۔ آپ نے اخلاقی جرات کی نہایت عظیم الشان مثال قائم فرمائی۔ اور یہ درس دیا کہ مصیبت میں صابر و شاکر رہیں۔ آپ نے نہ صرف اپنا سر ہی دیا بلکہ اپنا سارا کنبہ فدا فرما دیا، لیکن ایک فاسق و بدکار شرابی کے ہاتھ پر بیعت کرنا پسند نہ فرمایا۔ اس دور میں بھی بیسیوں ایسے مواقع پیش آتے ہیں جہاں ہمیں قوت فیصلہ سے کام لے کر حق و باطل اور حرام و حلال میں تمیز کرنی چاہئیے۔ اور آخر کار وہی راہ اختیار کرنی چاہیئے جس کی ضمیر رہبری کرے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت امام نے جسم اسلام میں ایک تازہ روح پھونکی ہے

جان تازہ درومید بجسم اصول دیں　　روح حسینؑ شاہ شہیدان کربلا (ذکی)

دین اسلام کو جو تقویت شہادت سیدنا حسینؑ سے پہنچی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، آپ نے زر پرستوں اور مادہ پرستوں کے لئے روحانیت کا ایک نہایت عظیم الشان درس دیا ہے۔ خدا دوستی و للہیت کی

بیش بہا تعلیم دی ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ

رباعی

شاہ است حسینؑ و بادشاہ است حسینؑ دین است حسینؑ و دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید واللہ کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

یزید نے حضرت امامؑ کو شہید کر کے خیال کیا کہ فتح ہو گئی۔ لیکن اسی فتح میں اس کی شکست کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے عالم اسلام میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ ملک عراق و حجاز میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ مختار عراق کا خود مختار حاکم بن بیٹھا اور حضرت امامؑ کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کیا [۱] اور آخر کار اہلبیت کی حمایت میں عباسی تحریک نے فروغ پا کر بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

---

[۱] تاریخ اسلام مولفہ مولانا امیر علیؒ صفحہ ۶۹۔

تئیسواں باب

شہادت کے بعد

سید الشہداء کو شہید کرنے کے بعد اکثر اعداء اہل بیت اطہار کے خیمے پر ٹوٹ پڑے۔ اور بے کس و غریب الوطن سیدانیوں کا سارا زیور اتروالیا۔ یکایک شمر کی نظر حضرت امام زین العابدینؑ پر پڑی جو اس وقت مرض اور غم شہداء کے باعث بے ہوش تھے شمر نے آپ کو بھی قتل کرنے کے لئے خنجر اٹھایا۔ لیکن حمید بن مسلم نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہا "اے ملعون! تجھیا مسلمان عتوح کافروں کے بچوں کو بھی قتل نہیں کرتے۔ مگر تو خاندان نبوت کے کم عمر چشم و چراغ کو قتل کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ علاوہ ازیں حضرت زینبؓ نے بھی آپ کی حمایت و حفاظت فرمائی۔ اس لئے شمر اس بے گناہ کے

قتل سے باز آیا[1]

ابن سعد نے اس دن وہیں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح کو حمید بن بکیر کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوفے کی طرف روانہ ہونے کی منادی کرادے۔ وہ اپنے ساتھ حضرت امامؑ کی بیٹیوں، بہنوں اور بچوں کو سوار کرا کے لے چلا۔ اس وقت علیؑ بن حسینؑ (حضرت امام زین العابدینؑ) بیمار تھے۔ یہ بی بیاں جب حضرت سید الشہداء کی لاش اور اپنے عزیزوں اور فرزندوں کی لاشوں کی طرف سے گزریں تو آہ و نالہ کرنے لگیں اور نہایت بیقرار ہو گئیں۔ قرہ بن قیس تمیمی کہتا ہے کہ میں گھوڑا بڑھا کر قریب گیا۔ ان عورتوں کو میں نے دیکھا۔ میں نے ایسی عورتوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ واللہ آہوان صحرا سے بڑھ کر حسین تھیں مجھے خوب یاد ہے زینب بنت فاطمہؑ کا یہ کہنا کبھی نہ بھولوں گا۔ جس وقت اپنے بھائی کی نعش پر پہنچیں تو کہتی تھیں "وامحمداہ، وامحمداہ" ملائکۂ آسمان کی صلواۃ آپ پر ہو۔ حسینؑ میدان میں پڑے ہوئے ہیں، خون میں ڈوبے ہوئے ہیں، تمام اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ وامحمداہ آپ کی بیٹیاں قید میں جاتی ہیں، آپ کی ذریت قتل کی گئی۔ ہوا ان کی لاشوں پر خاک

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۸۴۔

ڈال رہی ہے[1] ؎

افتادہ روئے خاک تن بے سرِ حسینؑ ۔ در آفتاب و ریگِ بیابانِ کربلا (ذکی)

عمرو ابن سعد کے گزر جانے کے بعد قصبۂ غاضریہ (جو کربلا کے قریب واقع ہے) کے باشندوں نے شہدا کی لاشوں کو دفن کیا۔ حضرت عباسؓ دریائے فرات کے قریب قصبۂ غاضریہ کے راستے پر جہاں آپ نے شہادت پائی تھی وہیں دفن ہوئے۔ اور حضرت امامؑ کے جسمِ مطہر کے اعضا بھی جمع کر کے کربلا میں دفن کئے گئے۔ اس کے بعد جب یزید نے شہدا کے سر واپس کر دئیے تو وہ بھی بے سر اجسام کے ساتھ دفن کر دئیے گئے۔ لیکن حضرت امامؑ کے سرِ مبارک کی نسبت مختلف روایتیں ہیں۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ سلیمان ابن عبد الملک نے سرِ مبارک کو یزید کے خزانے سے نکلوا کر نہلایا اور کفنا کر نہایت احترام کے ساتھ دمشق میں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سرِ مبارک مصر میں مدفون ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سرِ مبارک مدینے میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا ہے۔ لیکن ان تمام مختلف بیانوں میں مشترک جز یہ ہے کہ سرِ مبارک کو جسمِ اطہر کے

---

[1] تاریخ طبری حصۂ اول جلد دوم صفحہ ۲۹۴۔

ساتھ مل کر دفن ہونا نصیب نہ ہوا۔

روایت ہے کہ حسینؑ کے سر کے ساتھ ان کے اہل و عیال اور ان کی بہنیں سب کے سب ابن زیاد کے سامنے لائے گئے۔ جناب زینبؑ بنت فاطمہؑ نے معمولی سا لباس پہن لیا تھا، اپنی ہیئت بدل دی تھی کنیزیں آپ کو گھیرے ہوئے تھیں۔ جب داخل ہوئیں تو آپ بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا "یہ جو بیٹھی ہوئی ہے کون عورت ہے؟" آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے تین دفعہ پوچھا اور آپ نے ہر دفعہ جواب نہ دیا۔ اب کی دفعہ آپ کی کسی کنیز نے کہا کہ "یہ زینبؑ بنت فاطمہؑ ہیں۔" ابن زیاد نے کہا "شکر ہے خدا کا جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا، قتل کیا۔ تمہاری روایات کو جھوٹا کر دیا۔" آپ نے جواب دیا "شکر ہے خدا کا جس نے محمد صلعم کے سبب سے ہم کو عزت دی۔ ہم کو طیب و طاہر کیا تو نے جو کہا ایسا نہیں ہے، رسوا وہ ہوتا ہے، جھوٹا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو۔" ابن زیاد نے کہا "تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے خاندان والوں سے اللہ نے کیا سلوک کیا۔" آپ نے فرمایا "ان کے مقدر میں قتل ہونا تھا، وہ اپنی قتل گاہ کی طرف چلے آئے۔ اب تو بھی اور وہ لوگ بھی خدا کے سامنے

جائیں گے وہیں تم لوگ اپنی نزاع اور خصومت کو پیش کرو گے۔" یہ سُن کر ابن زیاد غضبناک اور برافروختہ ہوگیا۔ عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کا بھلا کرے، یہ ایک عورت ہیں، کیا عورت کی کسی بات کا مواخذہ ہوسکتا ہے؟ کسی بات کا یا سخت زبانی کا عورت سے تو مواخذہ نہیں کیا جاتا۔" اب آپ سے مخاطب ہو کر ابن زیاد نے کہا "تمہارے خاندان کے سرکشوں اور نافرمانوں کی طرف سے خدا نے میرے دل کو ٹھنڈا کر دیا۔" یہ سُن کر آپ رونے لگیں پھر کہا "بخدا مردوں کو تو نے قتل کیا، میرے خاندان کو تو نے تباہ کیا، شاخوں کو تو نے قطع کیا، جڑ کو اکھاڑ ڈالا۔ اگر اسی سے تیرا دل ٹھنڈا ہوسکتا تھا تو بے شک تو نے ٹھنڈا کر لیا۔" کہنے لگا "یہ عورت بڑی دلیر ہے، تمہارے باپ بھی تو شاعر اور بڑے دلیر تھے۔" آپ نے فرمایا عورت کو دلیری سے کیا واسطہ، میں کیا دلیری کروں گی جو منہ میں آگیا وہ میں نے کہہ دیا۔[1]

حمید بن مسلم کہتا ہے علیؑ بن حسینؑ کو جب ابن زیاد کے سامنے لائے ہیں، وہ اس کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۸۷۔

آپ نے جواب نہیں دیا۔ کہنے لگا "جواب کیوں نہیں دیتے؟" آپ نے فرمایا "میرے بھائی بھی علی بن حسینؑ کہلاتے تھے، انھیں لوگوں نے قتل کیا۔" کہنے لگا "نہیں خدا نے انھیں قتل کیا۔" آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ کہنے لگا "جواب کیوں نہیں دیتے؟" آپ نے فرمایا جن کی موت کا وقت آتا ہے خدا ہی ان کو وفات دیتا ہے۔ بے حکم خدا کے کوئی شخص مر نہیں سکتا۔" ابن زیاد نے کہا "واللہ تم بھی انہیں لوگوں میں ہو۔ ذرا دیکھنا یہ بالغ ہیں؟ واللہ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ مردوں میں داخل ہو چکے ہیں۔" مرّی بن معاذ نے غور کر کے دیکھا اور کہا کہ "ہاں یہ بالغ ہیں۔" ابن زیاد نے حکم دیا کہ "انھیں قتل کر دو۔" اس پر علی بن حسینؑ نے پوچھا "ان عورتوں کی حفاظت کے لئے تم کس کو مقرر کرو گے؟" ان کی پھوپی جناب زینبؓ ان سے لپٹ گئیں، اور فرمانے لگیں "اے ابن زیاد! ہم لوگوں پر جو مصیبت گزر چکی اس پر بس کر۔ کیا ہم لوگوں کا خون بہانے سے تجھے سیری نہیں ہوئی، کیا ہم میں سے کسی کو تو نے باقی رکھا ہے؟" یہ فرما کر بھتیجے کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور فرمایا "اے ابن زیاد میں تجھے خدا کا

واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے تو اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کر۔"
علی بن حسینؑ نے فرمایا "اے ابن زیاد! اگر تجھ میں اور ان لوگوں میں
قرابت ہے تو کسی پرہیزگار شخص کو ان عورتوں کے ساتھ روانہ
کرنا جو مسلمان کی طرح ان کے ساتھ رہے۔" ابن زیاد دیر تک
اس بی بی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا اس
خون کے جوش سے تعجب ہوتا ہے۔ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو
یہ آرزو ہے کہ اس لڑکے کو اگر میں قتل کروں، تو اس کے ساتھ
ان کو بھی قتل کروں۔ اچھا لڑکے کو چھوڑ دو۔ جاؤ اپنے گھر کی
عورتوں کے ساتھ تمہیں جاؤ۔"[۱] ابن زیاد کے حکم سے مستورات
اور اطفال حسینؑ کو محفر بن ثعلبہ اور شمر اپنے ساتھ لئے ہوئے
یزید کے پاس گئے۔ راستے میں علی بن حسینؑ نے (جو ابن زیاد کے
حکم سے پاؤں سے گلے تک زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے) ان
دونوں سے کبھی کوئی بات نہیں کی۔[۲]

---

[۱]۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۸۸۔
[۲]۔ " " " " صفحہ ۲۹۰۔

چوبیسواں باب

قافلہ حجاز کی مدینے کو واپسی

ایک روایت یہ ہے کہ اہل کوفہ حسینؑ کا سر مبارک لے کر جب آئے تو مسجد دمشق میں داخل ہوئے۔ مروان بن حکم نے ان لوگوں سے پوچھا کہ "تم نے کیا کیا ہے؟" کہا "اُن میں سے اٹھارہ شخص ہم لوگوں میں وارد ہوئے تھے، ہم نے سب کو قتل کیا، یہ ان کے سر ہیں۔ اور اسیر عورتیں ہیں۔" یہ سنتے ہی مروان دوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کا بھائی یحییٰ بن حکم ان لوگوں کے پاس آکر پوچھنے لگا کہ "تم نے کیا کیا؟" انھوں نے مروان سے جو کہا تھا وہی کلمہ یحییٰ سے بھی کہہ دیا۔ یحییٰ نے کہا "تم لوگ قیامت کے دن شفاعت محمدؐ سے محروم ہو چکے ہیں تو

اب کسی امر میں کبھی تمہارا ساتھ نہ دوں گا۔" یحییٰ یہ کہہ کر اُٹھا اور وہاں سے چلا گیا۔ یہ لوگ یزید کے پاس گئے اور اس کے سامنے حسینؓ کا سر رکھ دیا۔ اور واقعات بیان کرنے لگے۔ ہند زوجۂ یزید نے جو یہ قصہ سُنا تو چادر اوڑھ کر باہر نکل پڑی۔ پوچھا "اے امیرالمومنین! کیا یہ سر حسینؓ بن فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلعم کا ہے؟" یزید نے کہا "ہاں! یہ انہیں کا سر ہے۔ اے ہند رسول اللہ صلعم کے نواسے فخر خاندان قریش حسینؓ بن فاطمہؓ کے لئے نوحہ و زاری کر۔ ابن زیاد نے ان کے قتل کرنے میں بہت جلدی کی، خدا اسے قتل کرے۔" اس کے بعد یزید نے لوگوں کو دربار میں آنے کی اجازت دی۔ لوگ داخل ہوئے، کیا دیکھا کہ آپ کا سر یزید کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ یزید کے ہاتھ میں چھڑی ہے اور وہ آپ کے دانت کو چھڑی سے کھٹکھٹا رہا ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا "اے یزید! تیری چھڑی اور حسینؓ کے دانت۔ ارے تیری چھڑی کس مقام پر ہے۔ میں نے اسی جگہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلعم چومتے تھے۔ سُن رکھ قیامت کے دن تیرا حشر ابن زیاد کے ساتھ ہوگا۔ اور حسینؓ محمد صلعم کے ساتھ ہوں گے۔"

لہ۔ تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۹۶۔

یہ کہہ کر وہ دربار سے اٹھتے ہوئے چلے گئے۔[1]

اس کے بعد یزید نے حضرت امام زین العابدینؓ سے مخاطب ہوکر کہا "اے لڑکے! کیا تو جانتا ہے کہ تیرے باپ نے مسندِ خلافت کی خواہش کی تھی، اور خطبوں میں اپنا نام پڑھوانا چاہتا تھا لیکن شکر ہے کہ اس کی تمنا بر نہ آئی"۔ یہ سن کر آپ نے جواب دیا "اے یزید! یہ مساجد کے منبر تیرے باپ دادا کے ہیں یا ہمارے؟ کس کے باپ دادا نے کافروں کو قتل کیا اور مسلمانوں کی بستیاں بسائیں۔ کیا تیرے خاندان کے لوگ ہمیشہ کفر اور فساد میں مبتلا نہیں رہے؟ اور کیا دین داری چھوڑ کر دنیا کے طالب نہیں تھے؟ ٹھہر جا قیامت کے دن حق تعالیٰ اس معاملہ کا تصفیہ فرما دے گا"۔ اس برجستہ جواب نے یزید کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اتفاقاً اس وقت نوبت کی آواز آئی۔ یزید نے ہنس کر کہا "اے علی! یہ نوبت ہماری ہے، تمہارے باپ دادا کی نوبت کہاں ہے؟" آپ نے جواب دیا "ذرا ٹھہر جا، جب ہمارے باپ دادا کی نوبت بجے گی تو تیری نوبت بند ہو جائے گی"۔ ان جوابات سے یزید کو یقین ہو گیا کہ آپ سے عہدہ برآ ہونا

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صفحہ ۲۹۶۔

ممکن نہیں۔ اس لئے اس نے کہا اے علی! کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔" آپ نے حسب ذیل مطالبات پیش کئے:۔

"ا۔ شہداء کے سر واپس کروائے جائیں۔ ب۔ ہم سب اہل بیت کو مدینہ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہاں جاکر عبادت الٰہی میں مصروف رہیں ج۔ بنی امیوں وغیرہ کے روبرو مجھے جمعہ کا خطبہ دینے کا موقع دیا جائے۔"

یہ سب مطالبات قبول کر لئے گئے۔ یزید کے حکم سے مستورات علیحدہ مکان میں اتاری گئیں۔ جہاں ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ وہاں آل معاویہ کی اکثر عورتوں نے آکر نوحہ و زاری اور ماتم پرسی کی۔[1] دوسرے دن جمعہ کو آپ نے نہایت فصاحت و بلاغت اور سوز و گداز سے بھرا ہوا خطبہ دیا جس سے سامعین کے دل پگھل گئے، اور سب پر شہداء کی بے گناہی اور یزید کا ظلم و سفاکی اور خوں ریزی روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئی۔ یزید نے جب یہ حال دیکھا تو موذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ موذن تکبیر کہتا ہوا جب اشہد ان محمد الرسول اللہ تک پہنچا تو حضرت امام زین العابدین نے موذن کو اس نام مبارک کی قسم دے کر جو باعث تکوین عالم ہوا روک دیا۔ پھر اہل بیت کے فضائل و مناقب اور مصائب بیان کرکے باقی خطبہ ختم فرمایا۔

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم صہ ۲۹۲۔

دوسرے روز اسباب سفر مہیا کر دیا گیا۔ اور اہل بیت کو کپڑا اور زاد راہ دے کر تیس مسلح سپاہیوں کے ساتھ نعمان بن بشیر کی معیت میں مدینہ بھجوا دیا گیا۔[1] اور حسب وعدہ شہداء کے سر بھی جناب عابدؑ کے حوالے کر دیئے گئے۔ دارالحکومت میں شورش برپا ہو جانے کے اندیشے سے یزید نے ان کو بسرعت تمام واپس بھیج دیا۔[2]

جب قافلہ مدینے کے قریب پہنچا تو فاطمہؑ بنت علیؑ کی تحریک پر نعمان بن بشیر کو خدمت گزاری کے صلہ میں کنگن اور بازو بند دیا گیا۔ لیکن نعمان نے اس خدمت کا صلہ جو خدا و رسول صلعم کی خوشنودی کے لئے کی گئی تھی، قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[3] اور دعائے خیر کے طالب ہوئے۔ اہل بیت اطہارؑ نے راستے میں حسن سلوک سے پیش آنے اور خدمت کرنے پر اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے نعمان کے لئے دعائے خیر کی۔ جس کو انھوں نے وسیلۂ نجات تصور کیا۔

ان مظلوموں کو واپس ہوتے ہوئے دیکھ کر اہل مدینہ نے آگے بڑھ کر خیر مقدم کیا اور اس سانحہ جگر خراش کو سن کر نبی زادوں کے

---

[1] تاریخ اسلام" مولفہ مولانا امیر علی مرحوم ص ۶۵۔
[2] تاریخ طبری حصہ اول جلد دوم ص ۲۹۲۔
[3] " " " " ص ۲۹۳۔

فراق میں مرغ بسمل کے مانند تڑپنے لگے۔ قافلۂ اہل بیت کی آمد کی خبر سن کر ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ اس خاک کربلا کا شیشہ لئے ہوئے (جس کا ذکر پہلے کیا گیا) اپنے حجرے سے باہر نکل آئیں اور اسے پُرخون دیکھ کر حالات کربلا سے مطابقت فرمائی اور جناب امام زین العابدینؓ کو گلے سے لگا کر رونے لگیں۔

اس دل گداز سانحہ کے بعد جناب امام زین العابدینؓ چالیس سال زندہ رہے، لیکن غیر معمولی رنج کے باعث ہمیشہ مغموم اور شب و روز عبادت الٰہی اور ارشاد و ہدایت میں مصروف رہتے تھے۔

تمت بالخیر

۲۰ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

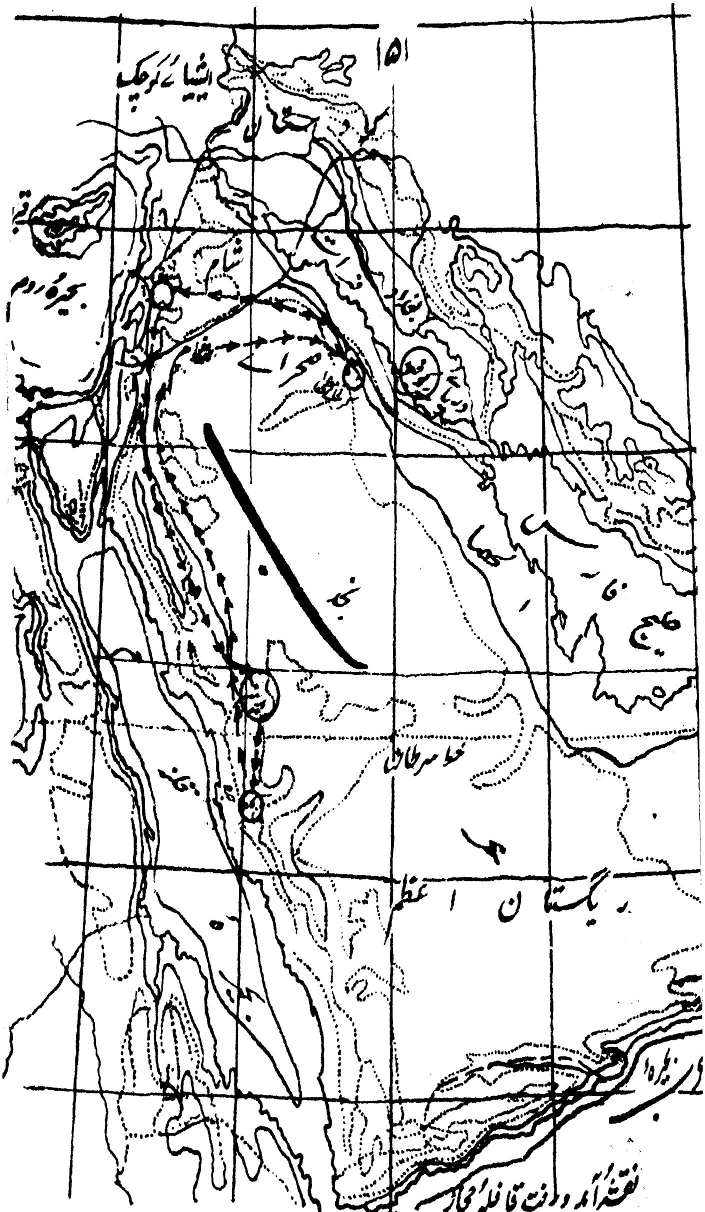
ایشیای کوچک
بحیرهٔ روم
شام
صحرا
نجد
خلیج
خط سرطان
ریگستان اعظم
نقشهٔ آمد و رفت قافلهٔ حجاز

آرائے علمائے کرام

عالیجناب معلی القاب ہز اکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد اصفی بالقابہ یمین السلطنت پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

عز اسمہ

دنیائے اسلام اور دیگر مذاہب کے سامنے تاریخ اسلام کا اہم بالشان واقعہ کربلا حق پرستی و باطل سے بیزاری کی درخشاں و ناقابل تقلید مثالوں کو پیش کرتا ہے۔ واقعہ کربلا کے اخلاقی رخ اور ایثار جو شہادت عظمیٰ کے ذریعہ پیہم پہلو کھل کر ظاہر ہوئے اس کی دنیا کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ ان واقعات کو قلمبند کرنے کی کوشش مصنف کے حق میں لائق قدر ہے۔

شرح دستخط ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۲ھ

عالیجناب نواب اختر یار جنگ بہادر ناظم و معتمد محکمہ امور مذہبی سرکار عالی

مولوی عبد السلام صاحب ذکی بی۔ اے (عثمانیہ) ملک کے قابل اور ہونہار نوجوان ہیں۔ ذکی تخلص سے واضح ہے کہ شاعر بھی ہیں۔ تالیف و تصنیف کا شوق بھی رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں انہوں نے حالات شہادت سیدنا حضرت امام حسینؑ لکھے ہیں اور مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اس شہادت نامہ کے متعلق رائے لکھوں۔ واقعہ شہادت حضرت سید الشہداؑ فی نفسہ ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں اور بحیثیت مجموعی کبھی ایسا دردناک واقعہ نہیں ہوا لہذا اس امر کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ حالات شہادت کو کسی مبالغہ سے کام لیا جائے لیکن عموماً ذاکرین اور مرثیہ لکھنے والوں نے شاعرانہ خیالات اور ہندوستان کے مذاق و رسم و رواج کے مدنظر بخیال گرمی مجلس ایسے روایات تصنیف و قلمبند کر دئے ہیں جن کو حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا۔ ایسی صورت میں حالات شہادت لکھنے والے کو صحیح حالات کے انتخاب میں بہت دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ کام علمائے تاریخ کا ہے کہ واقعات کی تنقید کریں میں اس بارے میں اظہار رائے کا اہل نہیں ہوں۔ البتہ مولوی عبد السلام صاحب کی صحیح واقعات جمع کرنے کی کوشش و ان کے شوق تالیف و تصنیف کے لحاظ سے قابل مبارکباد

سمجھتا ہوں۔ ۴۳۲ھ شرح دستخط

مولانا مولوی حضرت سید علی نقی صاحب قبلہ

بسمہ ولہ الحمد میں توسل بہ پنجتن نجات شہادت نامہ توشۂ آخرت ہے کیفیات موافق تواریخ کے صحیح ہیں حسین ابن علی علیہم السلام قبول فرمائیے من جاء بالحسنۃ فلہ عشرۃ امثالہا۔ مرقوم ۴ ذیحجہ ۱۳۵۲ھ شرح دستخط

مولانا مولوی حضرت بندہ حسن صاحب قبلہ

بسم اللہ ولہ الحمد میں نے شہادت نامہ مولفہ جناب مولوی محمد عبدالسلام صاحب فوکی عثمانیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا اختصار کے ساتھ منتخب حالات شہادت خامس آل عبا حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلیس بیان میں کتب معتبرہ سے لکھے ہیں اور اظہار حق کیا ہے۔ خداوند عالم انکو اسکی جزائے خیر عطا فرمائے اور اسکو مقبول خاص و عام کرے، بحق آل طٰہٰ و یٰسین فقط شرح دستخط۔

علامہ مولانا مولوی سید شاہ محمد صاحب شطاری صدر جامعہ نظامیہ عربیہ حیدرآباد دکن

واقعہ شہادت امام مظلوم علی آبائہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جسقدر دردانگیز و جانگداز و محیر العقول امر ہے اسیقدر امت کیلئے سب سے بڑا درس عبرت اور نتیجہ خیز ہے اور اسی مناسبت سے اسکے واقعات تاریخی میں بھی اسقدر طوفان بے تمیزی مچا ہوا ہے کہ صحیح کو سقیم سے تمیز کرنا ایک کار دشوار ہے۔ اسیطرح اس امر کے اسباب و علل طبعی کے سمندر میں شناوری کرنا سخت گردابوں کے مقابلہ سے خالی نہیں۔ فاضل مولف نے واقعی بڑی ہمت کی جو اس اہم واقعہ کو تاریخی نقطۂ نظر سے نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں اختصار غیر مخل کیساتھ نہایت عمدہ ترتیب و تبویب میں پیش کیا جو اس کتاب کو دیگر ہم مضمون کتابوں میں شان امتیاز دے رہا اور مرقع عبرت بنا رہا ہے فقط المرقوم ۱۷ ربیع ۴۲ف شرح دستخط

مولانا مولوی مرزا بہادر علی صاحب لکھنوی پروفیسر دینیات جاگیردار کالج سرکار عالی

بسم اللہ ولہ الحمد میں نے شہادت نامہ کا مطالعہ کیا جس میں واقعہ شہادت سبط رسول الثقلین حضرت

امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام بالاختصار لکھا گیا ہے عبارت سلیس و صاف اور دعا اہم ہے جس سے موجودہ
پڑھنے والا بھی مستفید ہو سکتا ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ تاریخ اسلام بالخصوص تعلیم اسلامی سے اغماض و اعراض کیا
جا رہا ہے یہ تالیف نہایت مفید ہی نہیں بلکہ قابل قدر ہے۔ اکثر واقعات سے قطع نظر جن کتابوں سے
یہ واقعہ اخذ کیا گیا ہے وہ عموماً مستند و معتبر ہیں۔ مولف کی عقیدت و ارادت اہل بیت رسالت
کیساتھ اور واقعہ جانگزا کی تاثیر قلبی طرز تحریر سے ظاہر ہوتی ہے
خداوند عالم مسلمانوں کو توفیق دے کہ اسوۂ حسینی کا اتباع کر کے حقیقی اسلام کے منافع دینی و
دنیوی سے متمتع ہوں اور مولف کو جزائے خیر عطا فرمائے فقط مرقوم ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

حکیم الشعراء الحاج مولانا سید احمد حسین صاحب امجد مصنف جمال امجد و رباعیات امجد وغیرہ

جناب مولوی عبدالسلام صاحب ذکی نے اپنے جذبات اور محبت اہل بیت کے تحت تاریخی نقطۂ نظر سے
شہادت نامہ مرتب کیا ہے۔ طرز تحریر صاف ہے پیچیدگیوں سے مبرا ہے جس کو بوڑھا، بچہ، مرد،
عورت آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتا ہے (جس سے اسلام کے ایک اہم اور تاریخی
واقعہ تازہ کر کے (توفیق الٰہی رفیق حال ہو تو) ہر مسلمان سیدنا حسین کے اسوۂ حسنہ سے
متاثر ہو کر صحیح مسلمان ہو سکتا ہے۔

شرح دستخط ۱۱ مہر ۱۳۴۴ف
تاریخ

عالیجناب مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی ام۔ اے۔ ال۔ بی پروفیسر عثمانیہ کالج

مولوی عبدالسلام صاحب ذکی کی تالیف "شہادت نامہ" پچھلے دنوں میرے مطالعہ میں تھی۔
کام بہت اچھا ہے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ متعدد شہادت ناموں کے باوجود
جو خود اردو میں پائے جاتے ہیں ذکی صاحب نے اس طرف کیوں توجہ کی۔ یہ
صحیح ہے کہ یہ شہادت نامہ صاف اردو میں لکھا گیا ہے اور برخلاف دیگر
شہادت ناموں کے اس میں مستند تاریخوں سے بھی کام لیا گیا ہے اور جابجا
حوالے بھی دیئے گئے ہیں، اس حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ فاضل مولف نے ایک کمی
پوری کی ہے۔ فقط ۵ خورداد ۱۳۵۳ف شرح دستخط

قطعۂ تاریخ از حضرت ڈاکٹر مہدی حسین صاحب قبلہ الم آقا آغا دکن مولف "گلشن تاریخ"

لوحش اللہ چوں ذکی خوش بیاں — گوہر معنی بسلک نثر سفت
بہر سال طبع آں کلک الم — مرجع مقصد شہادت نامہ گفت